بوستانِ حسرت

حسرت شروانی

تقریب

فارسی زبان کی شیرینی اور فارسی غزل کی رنگینی کون نہیں جانتا۔ علامہ شبلی نے سچ کہا ہے۔ "عشق[1] و محبت کا جذبہ فطرتِ انسانی کا خمیر ہے۔ اس لئے تمام دنیا کی شاعری میں عشقیہ شاعری، اور سب انواع شاعری سے زیادہ متداول اور عام ہے لیکن ایران اس خصوصیت میں تمام دنیا سے بڑھا ہوا ہے۔" درحقیقت ایران کی تہذیب و تمدن عیش و تنعم آب و ہوا اور حسن و جمال نے اہل ملک کے جذبات عشق و محبت میں ایک آگ سی لگا دی تھی۔ سعدی۔ حافظ۔ عرفی۔ نظیری کسی کی غزل[2] اٹھا کر دیکھئے تو آپ پائیں گے کہ عشق کے نازک سے نازک جذبات۔ اور حسن کی لطیف سے لطیف ادا کو یہ لوگ اس خوبی سے بیان کر جاتے ہیں کہ ذوق سلیم وجد کرنے لگتا ہے۔ مثلاً یہ کہنا ہے کہ محبوب کی آمد پر تمام شکوے شکایتیں ختم ہو جاتے ہیں۔ اس کو سعدی یوں ادا کرتے ہیں:-

گفتہ[3] بودم چو بیائی غم دل با تو بگویم — چہ بگویم کہ غم از دل برود چوں تو بیائی

یا یہ بیان کرنا ہے کہ معشوق کی اداؤں کے سامنے جان کی کوئی قیمت نہیں۔ اس کے لئے

---

[1] شعر العجم جلد پنجم [2] غزل کے موافق و مخالف حال میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ مگر یہاں اس بحث کا محل نہیں۔ [3] غالب لکھتے ہیں: "ان کے آنے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق۔ وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے۔"

حافظ یہ پیرایہ اختیار کرتے ہیں:-

اے خوشا حالت آں مست کہ در پائے حریف — سر و دستار نداند کہ کدام اندازد

اُس مست کی حالت قابل رشک ہے جو مستی میں معشوق کے قدموں پر نچھاور کرنے کے لئے یہ نہیں سوچتا کہ سر نذر کروں یا دستار۔ یا مثلاً عاشق کی وحدت پسند طبیعت غم روزگار کو بھی غم عشق میں جذب کر لیتی ہے۔ اس مضمون کو عرفی نے کس خوبی سے ادا کیا ہے:-

در دل ما[1] غم دنیا غم معشوق شود — بادہ گر خام بود پختہ کند شیشۂ ما

اسی طرح نظیری[2] محبوب کے آفتاب و شمع ہونے کی طرف کس لطف سے اشارہ کرتا ہے کہتا ہے:-

یارم بہ کلبہ کیست نہ شمع و نہ آفتاب — بام و درم ز ذرّہ و پروانہ پُر شدہ است

یعنی میرے جھونپڑے میں کون آگیا کہ شمع اور آفتاب کے نہ ہوتے ہوئے بھی تمام گھر ذرّوں اور پروانوں سے بھر گیا ہے۔ غرض مثالیں کہاں تک پیش کی جائیں۔ مقصود یہ ہے کہ فارسی غزل ایک باغ پُر بہار ہے جس کی کسی روش پر بھی نکل جائیے دماغ معطر ہو جاتا ہے۔

ہندوستان میں فارسی کا مذاق غزنویوں کی آمد سے شروع ہوتا ہے۔ فارسی کا پہلا شاعر غالباً مسعود سعد سلمان ہے جو عہد سلطان ابراہیم غزنوی میں لاہور کا گورنر تھا۔ اس کے بعد پٹھان سلاطین کے دورِ حکومت میں ہمیں جمال دہلوی حسن[3] بدایونی (حسن سنجری دہلوی کہلاتے ہیں) بدر چاچی مظفر گجراتی وغیرہ متعدد خوش گو شعرا ملتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ امیر خسرو کے کوکبۂ خسروی نے سب کی شوکت کو ماند کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ مغلیہ حکومت

---

[1] آلام روزگار کو آساں بنا دیا — جو غم ملا اسے غم جاناں بنا دیا۔ (اصغر)

[2] داغ کا شعر ملاحظہ ہو:- رخ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
ادھر آتا ہے دیکھیں یا ادھر پروانہ جاتا ہے

[3] ملاحظہ ہو کلیات حسن مطبوعہ حیدرآباد

کا عہد آگیا۔ مغل بادشاہ و اُمرا نہ صرف قدردان بلکہ خود سلیم المذاق تھے۔ ہر طرف دولت و ثروت کی افراط۔ اور حسن و عشق کی چہل پہل تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں کے فارسی شعرا ہندی الاصل ہوں یا ولایت زاد۔ کمالِ فن اور لطفِ سخن میں ایرانیوں سے بازی لے گئے خود صائب کا اعتراف سنیئے۔ کس مزے سے کہتا ہے:۔

نیست[1] در ایران زمیں سامان تحصیل کمال
تا نیامد سوئے ہندوستاں حنا رنگیں نہ شد

اصل یہ ہے کہ بابر و ہمایوں نے شعر و ادب کے پودے کی پرورش کی۔ اکبر کے عہد میں یہ چھتنار درخت بن گیا۔ جہانگیر و شاہ جہاں کے دَور میں اہل کمال نے اس کا پھل کھایا اور اس کے سایہ میں آرام پایا۔ اکبر[2] کے دربار کے شعرا کی فہرست جو ابو الفضل۔ بدایونی اور نظام الدین نے دی ہے کافی طویل ہے۔ یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ یہاں تک کہ آخری مغل بادشاہ کے زمانہ میں خاتم الشعراء مرزا غالب پر آکر ختم ہو گیا۔ مرزا خود کہا کرتے تھے کہ ہند میں فارسی شاعری ایک ترک لاچین (خسرو) سے شروع ہوئی اور ایک ترک ایبک (غالب) پر ختم ہو گئی۔ مگر اس سے یہ مراد نہیں کہ غالب کے بعد کوئی شاعر یا اچھا شاعر پیدا ہی نہیں ہوا۔ البتہ یہ درست ہے کہ کوئی صاحب[3] طرز یا مشہور استاد منصۂ شہود پر نہ آیا۔ ورنہ غالب اور اُن کے معاصرین[4] کے بعد بھی فارسی کے بعض خوش گو شعرا[5] پیدا ہوئے۔ جن میں حالی۔ شبلی

---

[1] یہ ہند رفتن حنا فارسی کا ایک محاورہ ہے جس سے حنا کا میاہی مائل ہونا مراد ہے۔ [2] اسی دور میں آکر فارسی شاعری نے ایک خاص انداز اختیار کیا جس کو سبک ہندی سے تعبیر کرتے ہیں اگرچہ اس کی بنا خسرو کے عہد ہی سے پڑ گئی تھی [3] اقبال ایک نئی شریعت شاعری کے مجتہد ہیں۔ اس لیئے ان کا ذکر یہاں نہیں کیا گیا [4] غالب نے ایک شعر میں اپنے معاصرین کا ذکر کیا ہو ؎ مومن و نیر و صہبائی و علوی و آنگاہ حسرتی اشرف و آزردہ بود اعظم شان [5] یوں تو تقریباً ہر شہر میں فارسی کے اچھے شاعر ہو گذرے ہیں۔ مگر ان کو شہرت عام کے دربار میں جگہ نہ ملی۔

خواجہ عزیز۔ شاہ عزیز اللہ عزیز وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اسی قابل ذکر گروہ میں جناب
نواب صدر یار جنگ بہادر مولوی حبیب الرحمن خاں صاحب
حسرت شروانی مدظلہ کا بھی شمار ہے۔ نواب صاحب کی ذات مستجمع الصفات کو اگر
اس معنی کر ذو الریاستین کہا جائے تو بجا ہے کہ قدرت نے آپ کو دنیاوی ریاست کے ساتھ
علم و ادب کی صدارت بھی عطا فرمائی۔ آپ کا علم و تبحر۔ فراست و تدبر۔ نادر کتاب خانہ۔
اور مذہبی و قومی کارنامے اظہر من الشمس ہیں۔ جن پر یہاں نہ بحث کی ضرورت نہ موقع۔ ہمارا
مقصد صرف نواب صاحب کے فارسی کلام موسوم بہ بوستان حسرت پر
اپنے ناچیز خیالات کا اظہار کرنا ہے۔ یہ ایک مختصر سا مجموعہ ہے جو ۲۸ غزلیات ایک
مخمس نعت اور چند قطعات تاریخی و غیر تاریخی پر مشتمل ہے۔ متعدد ردیفیں خالی ہیں۔ اور کسی
میں ایک ایک دو دو غزلیں ہیں۔ اور رسمی شاعروں کی طرح ردیفوں کی خانہ پری کی
کوشش نہیں کی گئی ہے۔ موصوف کو شعر و ادب سے فطری ذوق ہے۔ اور اسی ذوق
کے ماتحت کسی خاص تحریک یا جذبہ سے متاثر ہو کر احیاناً فکر شعر فرماتے ہیں۔ تاہم
دیوان کا ہر پڑھنے والا اس نتیجہ پر پہونچے گا کہ آپ کے یہاں اس مختصر مجموعے میں بھی
رفعت خیالات۔ وصدق جذبات کے ساتھ لطافت بیان اور سلاست زبان کی کمی نہیں۔
مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں اپنے دعوے کے ثبوت میں موصوف کے دیوان سے چند مثالیں پیش کریں
معشوق کی لطافت طبع کے متعلق ایک موقع پر نہایت لطیف پیرایہ اختیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

ایں ہمہ پاکی گوہر تو ال یافت بخاک   مگر از شیرۂ جانت بدنے ساختہ اند

یعنی عنصر خاکی میں یہ لطافت بھلا کہاں سے آئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید تیرا جسم روح
کے جوہر سے بنا ہے۔ غور کرنے کی جگہ ہے جس کے جسم کی لطافت کا یہ عالم ہے کہ روح نہیں بلکہ

روح کے جوہر سے اس کا خمیر ہوا ہے، تو خود اس کی روح کی پاکیزگی کس پایہ کی ہوگی۔ درحقیقت تصور کے لئے کس قدر وسیع میدان شاعر نے مہیا کر دیا۔ العظمۃ للہ۔

اسی غزل میں کہتے ہیں:۔

منّت رائحۂ نافہ و غنچہ نکشند | سرخوشانے کہ بہ بوئے دہنے ساختہ اند

عاشقان مست جو کسی کی بوئے دہن پر قناعت کئے بیٹھے ہیں مشک و غنچہ کی خوشبو کا احسان نہیں اُٹھایا کرتے۔ "بہ بوئے دہنے" کا ٹکڑا جو لطف دے رہا ہے وہ ادب فارسی کے اداشناسوں سے پوشیدہ نہیں۔ نواب صاحب کی شاعری کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا مخاطب اگرچہ حسن مجاز کا پیکر۔ اور گوشت پوست کا واقعی انسان ہے۔ لیکن جمال ظاہر کے ساتھ کمال معنی سے آراستہ ہے۔ اسی کے ساتھ خود اُن کا جذبۂ محبت بھی پاکیزگی اور وفا پرستی کے اوصاف سے متصف ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

من و خیال رخے، بے نیازم از گلشن | من و جمال مہے، آفتاب را چہ کنم

بے نیاز انہ ز سیر گل و گلشن گزرند | بیدلانے کہ بہ گل پیرہنے ساختہ اند

بعض پوری کی پوری غزلیں کسی خاص واقعے سے متاثر ہو کر لکھی ہیں جن میں واقعیت کی بنا پر تاثیر۔ اور مسلسل ہونے کی وجہ سے زور پیدا ہو گیا ہے۔ سچ ہے:۔

از دل می خیزد و بر دل می ریزد۔ مثلاً وہ غزل جس کا مطلع ہے:۔

در حریم وصل جانانم وطن خواہد شدن | شمع بزم انس آں ماہ ختن خواہد شدن

یا

ربودہ ہوش و قرارم غزال رعنائے | نگار مست خرامے بلند بالائے

اکثر غزلیں اساتذۂ قدیم کی زمینوں میں لکھی ہیں اور کامیاب شعر نکالے ہیں جن پر کہیں کہیں

علامہ شبلی۔ اور خواجہ عزیز جیسے سخن گو اور سخن سنج ناقدانِ ادب نے تحسین فرمائی ہے۔

حضرتِ ممدوح کے کلام میں متعدد مواقع پر عالی ہمتی و بلند حوصلگی کے مضامین اس خوبی سے نظم ہوئے ہیں کہ بے ساختہ دل سے داد نکلتی ہے۔ چند مثالیں سنئیے اور لطف اٹھائیے۔

مثلاً جب آپ حیدرآباد سے ترک تعلق کر کے وطن کی جانب واپس آ رہے ہیں تو ریل کے سفر میں یہ شعر کہا:۔

شاہباز ہمتم ربطے بدستِ شاہ داشت   خوش نکردہ بند دستِ دیگراں پرواز کرد

شاہباز کا بادشاہوں کے ہاتھ سے تعلق قدیم رواج کی طرف اشارہ کر رہا ہے شعر کا مطلب یہ ہے کہ جب تک بادشاہ کے ہاتھ سے تعلق رہا میری ہمت کا شاہباز پابند رہا لیکن جب دوسرے لوگ دخیل ہو گئے تو اُس کو یہ محکومی گوارا نہ ہوئی اور اُڑ گیا۔

ہمتِ ما سر نمی آرد بمال و زر فرود   دولتِ مالیں بود آں شوخِ سیم اندام ما

اگرچہ انداز میں کوئی ندرت نہیں۔ تاہم شعر سے شاعر کی عالی ظرفی کا پتہ چلتا ہے۔

سرِ آزادگاں برپائے دوں طبعاں بود حیف است   اگر خاک رہِ جاناں نشد بر دار بایستے

آزاد مزاجوں کے سر کے لئے دو ہی مصرف یا محل ہو سکتے ہیں۔ یا راہ دوست کی خاک ہوں یا دار کی زینت بنیں۔ یہ کیا غضب کہ ایسا سر اور ذلیل فطرتوں کے قدموں پر۔ خیال کی رفعت اور بیان کی لطافت داد سے مستغنی ہے۔ لطافت بیان کی تمثیل میں چند شعر اور ملاحظہ ہوں جن سے قارئین کرام کو محروم رکھنا ہمارے نزدیک ظلم ہے۔

دارم امید صلح ازاں چشم جنگ جو   جمعیتے ز زلف پریشانم آرزوست

باد چمن علاجِ تپِ دل نمی کند   عیسیٰ دمی ز گوشۂ دامانم آرزوست

نہ کردہ جلوہ بتِ شوخ و یا ختم دل و دیں　　　اگر برافگند از رخ نقاب را چہ کنم

توانم ایں کہ لبِ خود بہ مے نیالایم　　　سیاہ مستئ عہدِ شباب را چہ کنم

خلق را بسکہ گمانہاست بہ ہشیارئ خویش　　　جلوہ فرماؤ یکے پرس کہ ہشیار کجاست

آپ کے کلام میں بیان کی سلاست اور زبان پر قدرت کی مثالیں بکثرت ہیں مثال کے طور پر وہ نظم پڑھیئے جو "کسی" کے ریمارک کے جواب میں تحریر کی ہے۔ آغاز یہ ہے:۔

اے کہ از غایتِ لطافتِ طبع　　　سحرِ نوبہار را مانی

خاتمہ کا شعر سننے کے قابل ہے۔

گفتۂ طالب رضائے توام　　　من و یزداں کہ من فدائے توام

ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

حسرت ز بوئے باغ دماغم نمی رسد　　　بوئے وفا ازاں گل خنداں آرزوست

دماغ رسیدن فارسی میں مست و سرخوش ہونے کے معنی میں آتا ہے۔ کہیں کہیں کلام میں شوخی اور بے باکی کی ادا بھی جھلکتی ہے۔

چوں نخواہد داشت تاب بوسہائے بیدریغ　　　آں لبِ میگوں برنگِ یاسمن خواہد شدن

تشنیم منتِ بختِ بلند خود روزے　　　کہ در کشیم ببر آں بلند بالا را

ممکن ہے کہ بعض ثقہ طبائع ان اشعار پر چیں بجبیں ہوں، مگر جذبات کے دریا کا بند باندھنا آسان نہیں۔ چلتے چلتے دو شعر تعلّی اور زور بیان کے بھی سنتے جائیے فرماتے ہیں:

از بدخشاں لعل و از عمّاں گہر　　　جوہرِ طبعم ز کانے دیگر ست

نغمہ ہائے طوطی و بلبل خوش است　　　حسرتِ ما را فغانِ دیگر ست

ان چند سطور پر یہ تقریب ختم کرنے سے پہلے پہل اپنے مخدوم حضرت نواب نظامت یار جنگ بہادر

ہے

مدظلہ العالی کا شکر گذار ہوں کہ آپ نے بغایت ذرہ نوازی مجھے اپنے کلام فارسی
کو طبع کرانے اور شائع کرنے کی سعادت بخشی۔ ع

کلاہِ گوشۂ دہقاں بآفتاب رسید

استاذی پروفیسر مولانا ضیاء احمد صاحب بدایونی کا بھی منت گذار ہوں کہ اس
خوش گوار فرض کی ادائیگی میں آپ نے میرا ہاتھ بٹایا۔ فجزاھما اللہ خیر الجزاء[1]

سلطان جہاں منزل
علی گڑھ

سیّد الطاف علی بریلوی

یکم مئی ۱۹۴۹ء

---

[1] "خوش گفتی و دُر سُفتی" حسرت شروانی

غزل فارسی

(از خامۂ نواب صدر یار جنگ بہادر مدظلہ)

حسنِ اتفاق کا کرشمہ دیکھو۔ حکومتِ عرب سے عجم کا آزاد ہونا اور فارسی لٹریچر کا ادبِ عرب کی حکمرانی سے نکلنا ساتھ ساتھ ہوا۔ عجمی فرماں روا فتوحِ عرب کی روح کے حلقہ بگوش رہے۔ یعنی انھوں نے مسلمان رہ کر سلطنت کی۔ اسی طرح فارسی شاعری جانِ نظم عروض و قافیہ میں عربی شاعری کے تابع فرماں رہی۔ صورت کو چھوڑ کر معنی کو دیکھو تو متنبّی اور خاقانی اپنی بلند پروازیوں میں خیالات کے ایک ہی آسمان سے تارے توڑ کر صفحۂ کاغذ کو منوّر کرتے ہیں۔ دولت شاہ نے اپنے تذکرے میں شعرائے فارسی کے دَور قائم کئے ہیں۔ مقدمہ میں متنبّی وغیرہ شعرائے عرب کا ذکر کیا ہے اور اس طرح فارسی شاعری کی ابتدا کو عربی شاعری کی انتہا سے ملا کر سلسلہ مسلسل کر دیا ہے۔

فہمِ انسان کی نارسائی دیکھئے۔ جس چیز کی آغاز کی تلاش میں اُٹھتی ہے انجام کار قیاس کی بھول بھلیّوں میں سرگردانی اُٹھاتی ہے۔ یہی حال فارسی شاعری کی ابتدا کا ہے۔ بہرام گور کا عالمِ سرخوشی میں پہلا مصرع کہنا۔ یعقوب لیث کے چھوٹے سے بچّے کی زبان سے موزوں مصرع کا نکل جانا، مٹے سے نشان ہیں جو پیک خیال کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچا سکتے۔ قیاس کی مکر چاندنی سے نکل کر واقعات کی صبحِ صادق کے نور میں آؤ تو رودکی کا دل کش ترانہ سامعہ نواز ہوتا ہے۔

اس پُرشکوہ قافلہ کی قافلہ سالاری ابوالحسن[1] رودکی کی قسمت میں تھی۔ دربارِ سامانی

---

[1] ابوالحسن عبداللہ رودکی سمرقندی مادحِ امیر احمد نصر سامانی والیِ بخارا وفات نصر سامانی سنہ ۳۳۱ ہجری

کی عظمت سکے جہاں اور ساز و سامان تھے وہاں ملک الشعرا رودکی کا طمطراق بھی تھا جس کی جلو میں دو سو زرّیں کمر غلام چلتے تھے۔ قلندر مزاج شعراء اگرچہ ہمیشہ رودکی کی شوکت کے خیال میں رہے۔ لیکن یہ دل کش خواب پھر بہت ہی کم نظر آیا۔ ظاہر ہے کہ اس اوج موج میں ہواجئ خیال کے حوصلے قصیدے ہی کے میدان میں نکل سکتے تھے۔ ہجری چوتھی صدی کا آغاز رودکی کا دور ہے۔ اس زمانہ سے سعدی کے زمانہ تک (وفات سعدی ۶۹۱ھ ہجری) قصیدے کا دَور اور زور سمجھنا چاہیئے۔ اس چار سو برس کے عرصے میں قصیدے نے نشو و نما کے مختلف مدارج طے کئے۔ بچپن سے لڑکپن، لڑکپن سے جوانی، جوانی سے کہولت، کہولت سے بڑھاپا۔ زندگی کی یہی منزلیں ہیں۔ یہی منازل قصیدے کو پیش آئیں۔ خاقانی[1] کا زمانہ (چھٹی صدی ہجری کا درمیانی حصّہ) قصیدے کے شباب کا زمانہ تھا۔ دورِ شباب زور و شور کا زمانہ ہے۔ اس وقت کے قصائد مبالغہ کے زور میں طوفان سے بھی بڑھ چڑھ کر ہیں۔ جوانی اور جنون کا ڈانڈا ملا ہوا ہے۔ شباب قصیدے کی مدّاحی ستائش کا جنون ہے۔ ممدوح زمین پہ ہے وہ آسمان پہ بتا رہے ہیں۔ ہاتھ کے اشارے سے دکھاتے ہیں۔ کوئی نہ دیکھے تو ہاتھ سے اُس کا منھ اوپر کو اُٹھا دیتے ہیں۔ نہ مانے تو دلیل سے سمجھاتے ہیں۔ اس پر بھی نہ سمجھے تو ہجو سے سمجھاتے ہیں۔ سلح خانے کی چھت سے ہمیشہ چرخ ہفتم کے فرشتے تنگ رہے۔ اگر ٹپاؤ اتنا اونچا نہ ہو تو مریخ دوز نیزے کہاں رکھے جاتے۔ ڈربی کی گھوڑ دوڑ میں تیزی رفتار کا معیار سکنڈ اور منٹ ہیں۔ ہمارے شعراء کے ممدوحوں کے گھوڑے صدہا برس ہوئے اس

---

[1] خاقانی شروانی وفات ۵۸۲ھ ہجری

ریکارڈ کو توڑ چکے ہیں۔ یہ چند منٹ اور سکنڈ میں" اسکائی ریس (sky race)
کا دَور پورا کرتے ہیں۔ وہ چشم زدن میں دَورِ فلک سے باہر نکل جاتے ہیں۔ مبالغہ
کے مضامین پر خواہ ہنسو خواہ سوسائٹی کے مذاق سے عبرت حاصل کرو لیکن شکوہِ
کلام، قوتِ ادا، زورِ بیان اور روانیِ سخن کو دیکھ کر تم بے اختیار آفریں کہہ اٹھو گے
شباب کے بعد پیری ہے۔ پیری میں شباب کی باتیں خواب کی باتیں ہیں۔ مرزا
غالب بہادر شاہ کی مدح میں وہی مضامین صرف کرتے ہیں جو عنصری نے سلطان
محمود کی ستائش میں باندھے تھے۔ یہ خیال کا خواب نہیں تو کیا ہے۔ بیان میں سحر
کی تاثیر ہے۔ غالب و قاآنی کی جادو بیانی قصیدے کے ناتواں جسم میں پھر
روحِ جوانی پھونک گئی۔

قصیدہ جس قدر سمجھا گیا اُسی قدر اُس میں سے مغلق الفاظ، دشوار ترکیبیں
اور مشکل مضامین چھٹتے گئے۔ جہاں قصیدے کی سرحد غزل سے ملی ہے وہاں قصیدہ
کی صفائی غزل کی روانی سے ہمدوش ہے۔ شعراء کے چوتھے طبقہ میں کمال اصفہانی
ہے جس کو دربارِ کمال سے "خلاق المعانی" کا خطاب ملا ہے۔ اس کے قصیدے
کی صفائی تیغِ اصفہانی کے جوہر کو شرماتی ہے۔ اسی طبقہ میں غزل گویوں کے
امام شیخ سعدی جلوہ فرما ہیں۔ اُن کا کلام "کالملح فی الطعام" ہے۔ یہی وجہ ہے
کہ اُن کا دیوان "شعرا کا نمک دان" کہلایا۔ صفائی کلام کے علاوہ غزل کے لئے
شگفتگی و خستگی بھی درکار ہے۔ جب غزل کے فروغ کا زمانہ آیا تو شگفتگی و خستگی
کے اسباب بھی پیدا ہو گئے۔ ساتویں صدی میں تاتار سے ایک سیلاب بلا اُمڈا
جو عجم کو تاخت تاراج کرتا ہوا نکل گیا۔ یہ ایک قہر تھا جس نے سارے کارخانے

درہم برہم کردیئے۔ دربار لٹ گئے۔ تاجداروں کے سرکٹ گئے۔ گرمیٔ ہنگامہ کا فور ہوئی اور ہرطرف افسردگی چھاگئی۔ اس سے بہتر وقت غزل کے فروغ کے واسطے کون سا ہوسکتا تھا ؎

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولیٰ برقِ خرمن کا ہے خونِ گرم دہقاں کا

یہی زمانہ ہے کہ شیراز سے غزل کا ترانہ بلند ہوا جس طرح ملکی سلطنت بدلی اسی طرح کشورِ سخن کا انقلاب ہوا۔ خلافت کا چشم و چراغ مستعصم بغداد میں شہادت سے سرخرو ہوا۔ اصفہان میں کشور قصیدے کے تاجدار کمال اصفہانی کو سعادتِ شہادت نصیب ہوئی۔ عبرت کا تماشا دیکھو جس قتلِ عام نے قصیدے کا تاج اتارا اسی نے غزل کو تختِ اقبال پہ بٹھایا۔ یہی تاتاریوں کا ہنگامہ تھا جس نے سعدی کی طبیعت میں افسردگی و شکستگی پیدا کی۔ اس طرح زوال قصیدہ اور کمالِ غزل ایک ہی سبب کے دامن سے وابستہ ہیں۔ سعدی کے سینے میں عشق کا سوز اور دماغ میں حکمت کا نور نہاں تھا۔ سوزِ غزل کے پردے میں چمکا حکمت کی بُو گلستاں، بوستاں میں مہکی۔

عام طور پہ شیخ سعدی غزل کے مجتہد اوّل مانے گئے ہیں۔ تلاش اس کو غلط ثابت کرتی ہے۔ تقدم کا شرف خواجہ سنائی غزنوی کو حاصل ہے۔ خواجہ ممدوح دوسرے طبقہ میں ہیں۔ اُن کے معاصر خاقانی و انوری کی غزل قصیدے کا اترا ہوا خاکہ ہے۔ لیکن خواجہ کی غزل میں وہ صفائی اور ملاحت ہے جو آگے چل کر حافظ اور سعدی کا حصہ ہوگئی۔

یہ ضرور ہے کہ سعدی سے پہلے غزل قصیدے سے دبی ہوئی تھی۔ شیخ کے زورِ طبع نے اس کو اتنا بلند کر دیا کہ اس نے قصیدے کو دبا لیا۔ امیر خسرو نے سوز و گداز کو چمکایا۔ حسن دہلوی نے لطافت سے اس کا حسن دوبالا کیا۔ سعدی کے بعد سلمان ساؤجی اور عبید زاکانی باکمال قصیدہ گو گزرے ہیں۔ انھوں نے قصیدے کو ابھارا۔ لیکن پھر اس کا رنگ نہ جما۔ دولت شاہ نے سلمان ساؤجی کے دور کو غزل گویوں کا دور لکھا ہے۔ قصیدے کے ساتھ ہی ساتھ مثنوی بھی عالمِ وجود میں آئی ہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ قصیدے کے عہد میں قصیدے اور غزل کے دور میں غزل سے دبی رہی۔ دورِ اوّل میں اساتذۂ مثنوی فردوسی، سنائی، عطار، خاقانی، مولانائے روم اور نظامی وغیرہ گزرے ہیں۔ دورِ ثانی میں سعدی، خسرو، جامی، خواجو، فیضی، ظہوری، زلالی وغیرہ، مثنوی کا اشکال اس سے واضح ہوتا ہے کہ ابتدا سے انتہا تک مشکل سے تیس۳۰ چالیس۴۰ مثنوی گو ایسے نکلیں گے جو شہرت کے دربار میں باریاب ہوئے ہوں۔ حال آں کہ قصیدہ اور غزل کے استاد صدہا مشہور ہیں۔

ہم نے تفحص کے بعد غزل کے بارہ دور قائم کئے ہیں۔ ہر دور میں جن اساتذہ کا دور دورہ رہا اول اُن کے نام تقدیم و تاخیر کی ترتیب سے لکھے ہیں۔ پھر ہر ایک کے کلام کا نمونہ دکھایا ہے۔ اور اپنی فہمِ ناقص کے مطابق ہر دور کی خصوصیات جتائی ہیں۔ خاتمۃ الباب شیخ علی حزیں ہیں۔ بنارس جا کر ان کی قبر دیکھو۔ بیکسی کہہ رہی ہے کہ باغِ سخن کا بلبل زار نالوں سے چور، حسرتِ بہار کو دل سے لگائے یہیں سو رہا ہے۔ پتھر کا دل ہوگا جو سنگِ مزار کے اشعار پڑھ کر بے تاب نہ ہو جائے گا۔ اشعار سے

زباں دانِ محبت بودہ ام دیگر نمیدانم   ہمیں دانم کہ گوش از دوست پیغامے شنید ایں جا

حزیں از پائے رہ پیما بسے سرگشتگی دیدم   سرِ شوریدہ بر بالینِ آسایش رسید ایں جا

دلِ حزیں سے یہ مضمون غزل کا مرثیہ بن کر نکلا ہے۔ جو جوشِ جنوں صدہا برس فارس، عراقِ عجم، خراسان، ماوراء النہر اور ہندوستان کی خاک چھانتا رہا آخر ٹھنڈا ہو کر کاشی کی سرزمین میں خاک میں مل گیا۔ اگر یہ سچ ہے کہ بنارس میں قیدِ حیات سے آزاد ہونے والے پھر جنم نہیں لیتے تو مان لو کہ اب قیامت تک غزل فارسی اسی قبر کی مجاور رہے گی۔ ظاہری اسباب کی تیکھی چتون بھی یہی اشارہ کرتی ہے۔ لوحِ مزار کا آخری شعر اسی انجام کی خبر دے رہا ہے۔ شعر

روشن شد از وصالِ تو شبہائے تارِ ما
صبحِ قیامت است چراغِ مزارِ ما

دَورِ اوّل۔ ابوالفرج رونی۔ منوچہری دامغانی۔ مسعود سعد سلمان۔

دَورِ دوم۔ عبدالواسع جبلی۔ خاقانی شروانی۔ انوری ابیوردی۔ ادیب صابر۔ خواجہ سنائی غزنوی۔ ظہیر فاریابی۔ سیف الدین اسفرنگی۔

دَورِ سوم۔ نظامی گنجوی۔ شاپور نیشاپوری۔ خلاق المعانی کمال اصفہانی پوربھائی جامی

دَورِ چہارم۔ خواجہ فرید الدین عطار نیشاپوری۔ مولانا جلال الدین رومی۔ شیخ سعدی شیرازی۔ اوحدی مراغی۔ عراقی ہمدانی۔ ہمام تبریزی امیر خسرو دہلوی۔ خواجہ حسن دہلوی۔ خواجہ کرمانی۔

دَورِ پنجم۔ سلمان ساوجی۔ حسن متکلم۔ ناصر بخاری۔ خواجہ حافظ شیرازی۔

کمال خجندی۔

دورِ ششم۔ سید نعمت اللہ قدس سرہٗ۔ سید قاسم انوار قدس سرہٗ۔ خواجہ عصمت بخاری۔ کاتبی۔ شیخ آذری۔

دورِ ہفتم۔ شاہی سبزواری۔ ابن یمین فریومدی۔ درویش قاسم قوفی۔ طاہر بخاری۔

دورِ ہشتم۔ مولانا جامی۔ خواجہ آصفی۔ ہلالی استرآبادی۔ اہلی خراسانی۔ نبانی ہروی۔ سہیلی۔

دورِ نہم۔ بابا فغانی شیرازی۔ لسانی شیرازی۔ میلی ہروی۔ غزالی مشہدی۔ وحشی یافقی۔ محتشم کاشی۔ ولی دشت بیاضی۔

دورِ دہم۔ نقی کمرہ۔ ملک قمی۔ ظہوری ترشیزی۔ شفائی اصفہانی۔ نظیری نیشاپوری۔ عرفی شیرازی۔ فیضی اکبرآبادی۔ ثنائی مشہدی۔ شاپور طہرانی۔ طالب آملی۔ اسیر شہرستانی۔

دورِ یازدہم۔ صائب تبریزی۔ سلیم طہرانی۔ کلیم ہمدانی۔ صیدی طہرانی۔ شوکت بخاری۔ طاہر قزوینی۔ فطرت مشہدی۔ عالی شیرازی۔

دورِ دوازدہم۔ (خاتمۃ الباب) شیخ علی حزیں لاہجانی۔

دورِ اوّل۔ ابوالفرج رونی۔ منوچہر دامغانی۔ مسعود سعد سلمان۔

ابوالفرج رونی (مادح ابو علی سیجور تھا۔ جو قبل ظہور دولت سلطان محمود سلاطین سامانیہ کی طرف سے صوبۂ خراسان میں گورنر تھا۔ وفات ابو علی سیجور ۳۸۷ھ ہجری) سے

بیامدی صنما برو و پاے بنشستی — دلم ز دست بردن بردی و دوردن خستی
نہ مست بودی و پنداشتم کہ چوں مستاں — ہمیں بہ حیلہ شناسی بلندی و پستی
سہ روز شد پس ازاں تا ز دردِ فرقتِ تو — نہ ہوشیاری دانم کہ چیست نہ مستی
درست گشت کہ جانِ منی بدیں معنی — کہ تا ز من بگسستی بہ من نہ پیوستی
بہ جانِ جاناں اگر تو بدستِ خویش دلم — چنانکہ بردہ امروز باز نفرستی

ولہٗ

چہ دلبری چہ عیاری چہ صورتی چہ نگاری — نہ گاہ خلوت جفتی نہ وقت عشرت یاری
بغمز عقل گدازی بچنگ چنگ نوازی — بوعدہ روبہ بازی بہ عشوہ شیر شکاری
چو بوسہ خواہم رنگی چو صلح جویم جنگی — چو راست رانم لنگی چہ خوست این کہ تو داری
نہ سوزی و نہ بسازی نہ کاہی و نہ فزائی — نہ بندی و نکشائی۔ چہ و یو دست سواری
شگفت یوسف روئی چرا نہ یوسف خوئی — بلے قرینۂ روئی۔ ولیک گرگ بیاری

منوچہر دامغانی (سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں تھا) جلوس سلطان محمود سنہ ۳۸۷ھ
وفات سنہ ۴۲۱ ہجری ۵

بار رخت اے دلبر عیارِ یار — نیست مرا نیز دگر بار بار
دو رُخ رخشاں تو گلنار گشت — بر دلِ من ریختہ گلنار نار
چشم تو خونخوارہ ہر جادوے — ماندہ ازاں چشمک خونخوار خوار
بندہ ہوادارہ ہواخواہ نیست — بندہ ہواخواہ وفادار دار
داد کن اے کودک و بردار جور — مہر پیش آرو بردار دار
اے تو دل آزار و من آزردہ دل — دل شد از آزارِ دل آزار زار

ولہٗ

اے با عدوے ماگرہ زندہ ز کوے ما | اے ماہروے شرم نہ داری ز روے ما
نامم نہادہ بودی بہ بدخواہ جنگ جو | با ہر کسے ہمی گلہ کردی ز خوے ما
جستی و یافتی دگرے بر مرادِ دل | رستی ز خوے ناخوش و از گفتگوے ما
اکنوں بجوے اوست رواں آبِ عاشقی | آں روز شد کہ آب گذشتے بجوے ما
گویند سرد تر بود آب از سبوے تو | گرم است آبِ ما کہ کہن شد سبوے ما
اکنوں یکے بکامِ دلِ خویش یافتی | چندی بہ خیرہ خیرہ چہ گردی بکوے ما

مسعود سعد سلمان جرجانی (مادح سلطان محمود و مسعود و ابراہیم غزنوی) جلوس سلطان مسعود سنہ ۴۲۱ھ وفات سنہ ۴۳۲ھ۔ جلوس سلطان ابراہیم سنہ ۴۵۱ھ وفات سنہ ۴۸۰ھ ۵

آمد آہستہ با کرشمہ و ناز | دوش نزدِ من آں نگار طراز
زلف پُر پیچ بر شکستہ بہ گل | چشم پُر خواب سرمہ کردہ بناز
بر نہادہ بہ ابرواں چوگاں | تیر غمزہ بچشم تیر انداز
گفتمش چوں روی بنومیدی | جنگ مانند مار کرد آغاز
اے نیازے مرا نیاز بہ تست | ور چہ دارد بمن زمانہ نیاز

من چو پرداختم بمہر تو دل
تو زمانے بوصل من پرداز

ولہٗ

اے سلسلۂ مشک فگندہ بقمر بر / خندیدہ لب پستۂ شکر تو بہ شکر بر
چوں قامت تو نیست سہی سرو خراماں / چوں چہرۂ تو نیست گلِ لعل ببر بر
چنداں غم و اندوہ فراز آمدہ در دل / کاندوہ شدہ اندہ و غم یک بدگر بر
دل شد سپر جاں ز نہیبِ مژۂ تو / تا چوں مژۂ تو زخمے زند آخر بہ جگر بر
تا ہجر نشستہ است بہ نزدیک تو ساکن / ایں وصل سراسیمہ بماندہ است بدر بر
بر تو گذرم رشے بتابی ہمی از من / گوئی کہ ندیدی تو مرا جز بگذر بر
من بر تو ہمی ہرچہ کنم دست نیابم / اے رشکِ قمر دست کہ یابد بقمر بر

ریویو دور اول کے جن اساتذہ کی چند غزلیں ملیں درج کی گئیں، نمونہ انداز کے لئے کافی ہیں، عبارت و معنی دونوں پر غور کیجئے۔ مطلع ہے، غزل کے کل شعر ہم قافیہ و ہم ردیف ہیں۔ مقطع نہیں۔ بندش اور الفاظ کی ترکیب لفظی صاف کہہ رہی ہے کہ قصیدہ گویوں کا کلام ہے۔ نزاکت و لطافت، استعارہ و مجاز (جو جانِ غزل ہے) معدوم ہے۔ جوش و ولولہ اور سوز و گداز بھی نہیں۔ اِن صفات کے پیدا ہونے کے دو بڑے سبب ہیں۔ ایک تصوف، دوسرا سوسائٹی کا رنگ۔ تصوف ان شعرا میں نہ تھا۔ سوسائٹی سپاہ کے نعروں اور ہتھیاروں کی جھنکار سے گونج رہی تھی۔ نزاکت کہاں بار پاتی۔ سوز و گداز کو مصروفِ کارزار سپاہی زائدہ کیا جانتے۔ وہ لوگ سومنات کو دار الشرک ہونے کے لحاظ سے قابلِ فتح جانتے تھے۔ رہا ایمیں

سوز و گداز یا حسن کا جلوہ دیکھنا یہ نازک خیالی متاخرین کے حصہ میں آئی۔ غالب کہتے ہیں ؎

بہ سومنات خیالم در آے تا بینی
رواں فروز برو دوشہاے زناری

ابوالفرج رونی اور منوچہری کی غزلیں پڑھ کر جب مسعود سعد سلمان کی غزل میں یہ شعر نظر آتا ہے ؎

زلف پرپیچ بر شکستہ بہ گل
چشم پرخواب سرمہ کردہ بناز

تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک چٹیل میدان کے بعد کوئی سبزہ زار آنکھوں کے سامنے آگیا۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ استعارہ و تشبیہ و لطافت، غزل کے واسطے کہاں تک ضروری ہے۔ مسعود کا زمانہ سلطان ابراہیم بن مسعود کے عہد تک رہا۔ یہ عہد بہ مقابلہ سلطان محمود و مسعود کے آسائش کا عہد تھا۔ سلجوقیوں سے صلح ہوگئی تھی۔ ابراہیم کے حوصلے اتنے بلند نہ تھے جو محمود و مسعود کی طرح سوسائٹی میں تلاطم برپا رکھتے۔ غالباً اسی آسائش و امن کا رنگ مسعود سعد سلمان کی غزل میں جھلک رہا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ایک مصروف کارزار سوسائٹی کو جس قدر سوز و گداز و محبت کے مضامین پر غور کرنے کی فرصت مل سکتی ہے اسی قدر سرمایہ اس دور کی غزل میں ہے۔ ان غزلوں کے انداز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دشت قفچاق کا سیدھا سادہ ترکمان اپنے محبوب سے بات چیت کر رہا ہے۔ مضامین کو

دیکھو تو سمجھ جاؤ گے کہ جو مضامین غزل کے لئے روح رواں ہیں وہ اُس عہد میں پیدا ہو چکے تھے۔ معشوق کی جفا کاری، بے وفائی، وعدہ خلافی، مست ناز ہونا، رقیبوں کے ساتھ اختلاط، عاشق صادق سے بے گانگی، ہرجائی ہونا، فراق کے ستم، وصال کی آرزو، سوزِ عشق، عشاق کی وفاداری، اخلاق، آزردگی، خستگی، انتظار، زمانہ کی دشمنی، اشک باری، جامہ دری، بے صبری، زرد روئی، ان کی آنکھ کی تشبیہ ابر سے، چشم معشوق کی خونخوارگی، بدمستی، پُرخوابی، جادوگری، تیرافگنی، بیماری، مژگاں کی تیراندازی۔ ابرو کی کمان و چوگاں سے تشبیہ۔ رخ کی تشبیہ گل لالہ و ماہ سے لب کی صفات، پُرشکر۔ لب لعل مثل شراب (مرجان) ہونا زلف کے اوصاف۔ مشکل عنبر وقیر نامۂ گنہگاراں[۱] ۔ آشفتگی۔ پُرپیچ۔ قد کی سرو سہی سے۔ رفتار کی کبک دری سے معشوق کے خطاب۔ ترک، نگار، کودک، پسر، دوست، لعبت، بت، صنم صفاتِ معشوق، کمر بستہ ہونا، دلبر، عیار، حوری لقا، نازنین، پریرو، سیم ذقن، پستہ لب، بنفشہ مو، سوار (قاصد) کبوتر، باز۔

آج لوگ ایشیائی شاعری کے مضامین کو ان نیچرل (Unnatural) بتاتے ہیں۔ تم اوپر کے مضامین کو غور سے دیکھو۔ عہد محمود و مسعود کا تصور باندھو۔ خراسانیوں کی افتادِ مزاج اور رسوم پر نگاہ ڈالو۔ غزنین اور خراسان کی جغرافیائی حالت سوچو، پھر انصاف سے کہو کہ ان میں کون سی بات ان نیچرل ہے۔

---

[۱] دیکھو زلف کی تشبیہ "نامۂ گنہگاران" سے کیا اشارہ کر رہی ہے۔ ۱۲

جب معشوق کی نگاہِ کرم دل میں زخم پیدا کر دے تو ایک جنگ جو جو راست دن تیر و شمشیر کے زخم لگاتار کھاتا رہا ہو اُس حالت کو تیغ زنی و تیر افگنی سے بڑھ کر کس پیرائے میں بیان کر سکتا ہے۔ وہ بنفشہ کا پیچ و تاب، کبک، دری کی مستانہ خرامی، سرو کی راستی، گل و لالہ کی رعنائی رات دن دیکھتے رہتے تھے۔ پھر اگر ان چیزوں کو وہ اپنے کام میں لائے تو قانونِ فطرت کی رُو سے کس جُرم کے مُرتکب ہوئے۔ درباروں کا شکوہ، مشک و عنبر، مرجان وغیرہ تکلف کے سامان ہمہ وقت پیشِ نظر رکھتا تھا، انھوں نے ان کا نام لیا تو کیا بُرا کیا۔ اصل یہ ہے کہ خود ہماری نیچر بدل گئی۔ اس کا کوئی علاج نہیں۔ اِس دَور کا کلام جہاں تک ہم نے دیکھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسب ذیل مضامین اس وقت تک غزل میں نہیں آئے تھے۔

واعظوں پہ پھبتیاں، اُمورِ دین کا استخفاف، معجزات کی بے ادبی، مے و میخانہ، دیر و بتخانہ، لوازم آتش پرستی، بلبل و گل، شمع و پروانہ، انداز و ادا، لب کی صفت میں آبِ حیات و زندگی بخشی۔ آنکھ کی تعریف میں قاتل و کشتن خط و خال وغیر ذالک۔

یہ دَور غزنین و بخارا میں گزرا ہے جو فقہ وغیرہ علوم دینیہ کے اور علماء کے اثر کے مرکز تھے۔ سلطان محمود و مسعود کے حالات پڑھو۔ تو معلوم ہوگا کہ دونوں پہ علماء کی صحبت کا کیا اثر تھا۔ اس حالت میں جو باتیں خلافِ دین تھیں وہ بآسانی قلم سے نہیں نکل سکتی تھیں۔ گل و بلبل چمنستانِ غزل میں آنے کے لئے غالبًا بہارِ شیراز کا انتظار کر رہے تھے۔ شمع و پروانہ

بزم عیش و عشرت کے دروازے ہیں۔ میدانِ جنگ میں عیش و عشرت کہاں۔
لب کی حیات بخشی آنکھوں کا قاتل ہونا۔ نزاکت و لطافت کے جوہر ہیں جو
متاخرین کی جانکاہیوں سے چمکے۔ دورِ اول میں ان مضامین کا نہ ہونا
ہماری شاعری کی حد درجہ نیچرل ہونے کی دلیل ہے۔

بوستانِ حسرت
۲۳
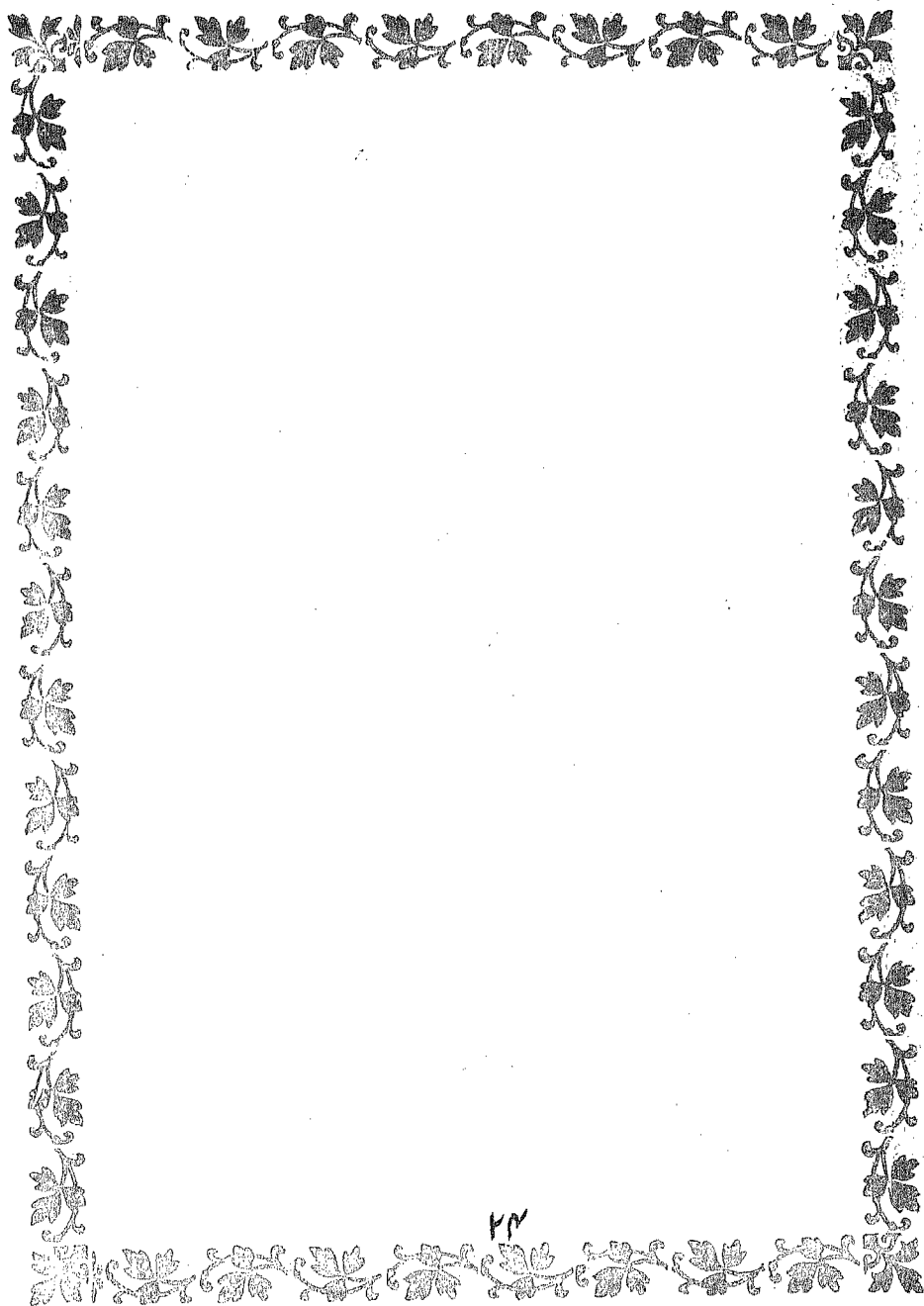
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(از بیاض سنہ ۱۳۰۳ھ) بر مطلع مشہور

الٰہی چوں سپہرم سینہ بکشا
دلم طوطی کن و آئینہ بنما

الٰہی جان و دل وارستہ فرما
دلم بلبل کن و گلدستہ بنما

الٰہی مشرقِ خرشید الفت ساز جانم را
ز نورِ حسنِ بے پایاں فروزاں کن بیانم را
خداوندا نثار روے جاناں ساز جانم را
نوائے جاں و تن سوزی عطا فرما زبانم را

نیّرِ رخشاں

عشوۂ رہ زنِ دیں شد منِ حیرانے را
کہ ازو نیست بجا ہوش مسلمانے را

گر بگردی بہ بیابانِ مدینہ یابی
کردہ ہر ذرّہ ببر نیرِ رخشانے را

بنما جلوۂ زاں چہرۂ رشکِ مینو
تا کنی روکشِ جنت دلِ ویرانے را

بر سرِ گورِ غریباں چو بیائی رُو نے
بینی افتادہ بہر گوشۂ ارمانے را

عہ دلِ پریروئے اگر بردہ زمن نیست عجب

اہرمن بردہ زکف مہرِ سلیمانے را

اے نسیمِ سحری رشحۂ فیضے زاں کو

تا زنی آبِ تسلّی دلِ سوزانے را

جز دو زلفش کہ خوش آسودہ بقربِ عارض

کہ نشاں یافتہ آسودہ پریشانے را

گر خرامی بصفاہانِ خیالم بینی

رونما خواستہ ہر جلوہ ایرانے را

طبعِ حسرت بروانی ست ازاں دُر وانہ

گوہرے گشتہ سببِ جوششِ عمّانے را

۱۴ صفر المظفر سنہ ۱۳۱۹ھ

عہ پسندیدہ جناب خواجہ عزیز الدین صاحب عزیز لکھنوی۔ ۲۹ جمادی الآخر سنہ ۱۳۱۹ھ

بر طرح مرزا صائبؔ مرحوم

از لبِ شیریں ادائے گشتہ شیریں کارم ما*
بخت را نازم کہ شد آرام جانی رامِ ما

پرتوے تا یافتہ از جلوۂ ماہِ عرب
صبحِ صادق رشک دارد بر صفائے شامِ ما

گرہیا تر دامنی بر زہدِ خشکِ ما کند
ننگ دارد نام بد از ننگِ ما و نامِ ما

طبلۂ عطار از بوئے خوشش باشد مشام
رشکِ گلشن بستر ست از سروِ گل اندامِ ما

---

* ہر کہ دولت یافت شست از لوحِ خاطر نامِ ما۔ صائبؔ

از وفورِ انتظارِ آں تذروِ خوش خرام
حلقہائے چشم گشتہ حلقہائے دامِ ما

سالہا شد در بیابانِ طلب سرگشتہ ایم
آں غزالِ خوش ادا روزے نگشتہ رامِ ما

زاتصالِ عارضِ پرنور و زلفِ مشک فام
گشتہ ہم آغوش گویا صبح ما و شامِ ما

کے بود مارا ہوائے آبِ انگوری کہ ہست
لعلِ نوشش نقلِ ما و چشم مستش جامِ ما

ہمتِ ما سرتہی آرد بمال و زر فرود
دولتِ ما بس بود آں شوخ سیم اندامِ ما

رہروانِ شوق از ما سالہا آرند یاد
نقشہا انگیخت در راہِ محبت گامِ ما

گرچہ دوریم از حریمِ جانفزائے وصل لیک
خوش بیادِ دوست می آید بسر ایّامِ ما

از سرِ ما شد بروں حسرت ہوائے سیرِ باغ
زینتِ کاشانہ تا شد شوخِ گل اندامِ ما

۱۳ ربیع الاوّل سنہ ۱۳۱۹ھ

برطرح خواجہ حافظ شیرازیؒ

حیات تازہ خیال لبت تمنا را
نوید عیش بہار رخت تماشا را
نگاہ گرم نتابد عذارِ گلگونش
بخواب بینم اگر آں نگار رعنا را
بجان شوق زنی آتشے زتابشِ حسن
بچشم مہر فزائی رواں تمنا را
زتاب جلوہ کند تا نگاہ را مدہوش
بنور بادہ بر افروخت روئے زیبا را
بچشم منت بخت بلند خود روزے
کہ در بچشم ببر آں بلند بالا را

شکستہ رنگ گلستاں بہار رخسارت
لب چو لعل تو در خوں نشاندہ صہبا را

فغاں کہ آں بت شنگول مہوش و سرمست
بجلوہ نہ نوازد حبیب شیدا را

ز شور پستۂ تو گشتہ عیش شیریں تلخ
ز تاب زلف تو تارست روز لیلیٰ را

دم کلام چو تنگ نبات بکشائی
شکر بکام کُنی طوطیٔ شکرخا را

دلم بساغر و مینا نہی کشد حسرت
کہ بردہ نرگس مستانۂ ز خود ما را

عـہ این شعر را خواجہ عزیز الدین عزیزؔ لکھنوی پسندیدہ ۱۲ ۔(۱۳ رجب سنہ ۱۳۱۹ھ)

بر طرح میرزا صائب مرحوم

احاطہ کرد خط آں آفتاب تاباں را
گرفت خیلِ پری درمیاں سلیماں را (صائب)

جمالِ روئے تو داغ ست ماہ تاباں را
بہار کوئے تو خارے بدل گلستاں را
ز چشم سرخوش ساقی اشارہ کافیست
دلم بہانہ جوید شکستِ پیماں را
زمینِ اشک عدن درکنار داماں
زفیضِ داغ گلستاں سیرگریباں را
فدائے زخمِ نگاہت ہزار مرہم باد
نثارِ دردِ تو سازم ہزار درماں را

بہجر کوئے تو روزم گلیم شب بر دوش
ز تاب روئے تو روزے شب شبستاں را
ز نور عارض تو رخنہا بظلمت کفر
بکفر زلف تو روئے نیاز ایماں را
بیاد روئے تو یارب زدم بشوقے دوش
کہ دل ز دست شد از فرط ذوق زنداں را
زجور ہجر تو جانم فگار و دل ریش ست
صبا بعجز رساں ایں پیام جاناں را
شفق بشوق لب لعل تو جگر خوں کرد
سحر بیاد رخت چاک زد گریباں را
جنوں بجوش نماندہ است دامنے با من
سزد کہ چاک زنم دامن بیاباں را

سخن ز ظلمت و آبحیات کوتہ کن
میان زلف سیاہش نگر زنخداں را
تبسم تو نسیم چمن سپے حسرت
نگاہ مہر چہ موج حیات ارماں را

۹ رجمادی الآخر سنہ ۱۳۲۰ھ

بالبداہہ

بہ منشی امتیاز علی خاں عرشی

ناظم کتاب خانہ ریاستِ رامپور

باستدعاے قدوم

حبیب منزل

ز قدومِ خویش نازشے بادلِ بانیاز بخش
بہ حبیبِ بینواے خود طرۂ امتیاز بخش

۲۰ ذی الحجہ سنہ ۱۳۶۳ ہجری

بر غزل نظیری نیشاپوری

جبذا عشق کہ ناکام بکام ست اینجا
جستنِ خواہشِ دل جملہ حرام ست اینجا

مستی و بیخبریہاست ہمہ در رہِ شوق
بصلاح و ورع و عقل سلامست اینجا

در رہِ عشق خردمند بماند حیراں
عقلِ کل سر بگریباں چہ مقامست اینجا

وامقا مملکتِ عشق و یارنیست غریب
کہ شہِ غازی محمود غلام ست اینجا

عہ تخلصِ سابقِ من وامق بود ۱۲
حسرت

نقشِ اوّل[عہ]

اگر جز یاد تو دارم خیالے
خداوندِ جہاں بخشاد حالے
کہ از نظارہ اش کروبیاں را
بر آید از دروں آواز دردا

عہ ایں اول شعر یست کہ موزوں کردم

برطرح طالب آملی

ع
ہوائے باغ بہجر تو سازگارم نیست
جدا از کوئے تو ذوقے بہ نو بہارم نیست
چو سر بہ گشتم و کوئے تو در نظر ندارم
براہِ عشق تو جاں دادم و قرارم نیست
دلم ز جوشِ بہار و کنارِ جو نکشود
کہ آں نگارِ گل اندام در کنارم نیست
ز فرطِ شوق ہمہ چشم و تماشا نیست
فتادہ ام بسرِ راہ و شہسوارم نیست

طالب آملی

ع مریضِ عشقم و بجز داغ سازگارم نیست   علاجِ درد بجز نالہائے زارم نیست

خیالِ روئے نگارے مرا ز خود بردہ است
دماغِ بوئے گل و جلوۂ بہارم نیست

بذوقِ دردِ تو با چارہ گر نپردازم
بداغِ عشقِ تو پروائے غمگسارم نیست

بغیرِ زلفِ سیہ فام و عارضِ پر نور
نشاطِ لیلِ من و رونقِ نہارم نیست

بغیرِ چہرۂ گلگونِ شاہدِ مشکول
بہارِ باغِ من و جوشِ نو بہارم نیست

بپردہائے دل و چشمِ من نہاں حسرت
من و خدائے کہ جز جلوۂ نگارم نیست

بر طرحِ شفائی اصفہانی

آمد بہار و جلوۂ بستانم آرزوست
ہم نالگیِ ہمرغِ غزلخوانم آرزوست (شفائی)

نے خوشدلی نہ جلوۂ بستانم آرزوست
بیتابیِ جنون و بیابانم آرزوست

بادِ چمن علاجِ تپِ دل نمی کند
عیسیٰ دمی زِ گوشۂ دامانم آرزوست

ماہِ دو ہفتہ ظلمتِ ہجراں نمی برد
عالم فروز شمعِ شبستانم آرزوست

دارم امیدِ صلح ازاں چشمِ جنگ جو
جمعیتے ز زلفِ پریشانم آرزوست

سودائے شوق بیخبر از حد و غایت ست
جاں برلب ست و جلوۂ جانانم آرزو ست

بہر نثارِ مقدمِ آں شاہِ دلبراں
عجزِ گدا و شوکتِ سلطانم آرزو ست

خواہم شرابِ تند ز ساقیِ مست ناز
سامانِ بیخودی فراوانم آرزو ست

پژمردہ خاطرم ز گل و لالہ شگفد
گلچہرہ بہارِ گلستانم آرزو ست

طبعم ملول گشتہ ز ہنگامۂ جہاں
آسودگیِ گوشۂ زندانم آرزو ست

حسرت ز بوئے باغ دماغم نمی رسد
بوئے وفا از آں گلِ خندانم آرزو ست

بر طرح امیر خسرو دہلوی

کافرِ عشقم مسلمانی مرا در کار نیست

لالۂ ہمرنگ تو در دامن گلزار نیست
بوئے مشکین زلفِ تو در طبلۂ عطار نیست

شور وحشت شد ز سرہا نیست پائے در طلب
رسم جانبازی زپا آمد سرے بردار نیست

طبع نازک بے نیاز از قیدِ رسم افتادہ است
رشتۂ الفت چو دارم حاجت زنار نیست

از ہوائے مشک سا و سبزۂ دلکش چہ سود
چوں بچشم جلوۂ آں آہوئے تاتار نیست

غنچہ را شکلِ دہن شد شیوۂ گفتار کو
سرو را قدِ سہی شد فتنۂ رفتار نیست

نیست دولت در جہاں جز وصلِ شوخِ سیمتن
نقدِ عیشی در زماں جز دولتِ دیدار نیست

لطفِ[1] چشمِ مست تو در بادۂ گلرنگ کو
ذوقِ جامِ لعلِ تو در ساغرِ سرشار نیست

در بہاراں سیرِ گلشن غنچۂ دل وا نکرد
چوں بہارِ گلشنم آں غیرتِ گلزار نیست

نیست کارے با طبیبِ شہر رنجورِ ترا
گشتہ مسکیں مبتلائے دردِ دل بیمار نیست

---

[1] کیف۔

دیدهٔ کز عشقِ جاناں می نبارد سیلِ اشک
در خورِ جنات عدن تحتہا الانہار نیست

از بنِ ہر موئے حسرت نالہا سر میزند
نغمہائے دلکشا در بیدِ چوبِ تار نیست

۲؍ صفر ۱۳۲۰ ہجری

بر طرح میر حسن دہلوی

عالمِ حسن از جہانے دیگرست
پیکرِ جاناں ز جانے دیگرست
حرفِ واعظ دلفریب آمد بچشم
چشمِ فتاں را بیانے دیگرست
دو جہاں آنجا فدائے جلوہٗ
منزلِ جاناں جہانے دیگرست
بیخودیِ ما ز ذوق جلوہٗ
خلق را برما گمانے دیگرست

عـہ ہر زماں از غیب جانے دیگرست۔ حسن دہلوی

از بدخشان لعل و از عمان گہر

جوہرِ طبعم ز کانے دیگرست

شد تہی از جان جہان و عشق را

لب ترنم ریز جانے دیگرست

فتنۂ گردوں بجولیش خاک بوس

ایں زمیں را آسمانے دیگرست

از گلِ افشانِ تبسم۔ بر رخش

ہر نگاہے بوستانے دیگرست

عشق را ہر دم تمنائے دگر

حسن محوِ ذوقِ شانے دیگرست

پرسشِ درمانِ دلِ ما خوش نکرد

درد را لطفِ نہانے دیگرست

بے ستوں خواند حدیثِ کوہکن
بے نشاناں رانشانے دیگرست
برلب خونِ شہیداں قصہاست
بے زباناں راز بانے دیگرست
نغمہائے طوطی وبلبل خوش ست
حسرت مارا فغانے دیگرست

۹ ذی الحجہ ۱۳۲۱ ہجری

بر طرحِ خواجہ حافظ شیرازیؒ

اے نسیم سحر آرام گہِ یار کجاست
منزلِ آں مہ عاشق کشِ عیار کجاست

روزِ من گشتہ سیہ جلوہِ دلدار کجاست
سینہ خوں گشتہ زغم مرہم دیدار کجاست

فصل گل رفت دلم غنچہ نشگفتہ ہنوز
آں بہارِ ارم و نازشِ گلزار کجاست

خار خارِ غمِ ہجراں بدلم خار شکست
اے نسیم سحری آں گل بیخار کجاست

عیش من تلخ شد از سختیِ ایام فراق
یارب آں لعلِ وال بخش شکربار کجاست

روزگاریست دلم چہرۂ مقصود ندید
پیکِ فرخندہ پئ مژدہ دیدار کجاست

سرو و شمشاد بگلشن قدِ رعنا دارد
نازو دل زسکفے شیوۂ[1] رفتار کجاست

باد جاں بخش و چمن خرم و مہ نور فشاں
ساقئ ماہ وش و ساغرِ سرشار کجاست

خلق را بسکہ گماں ہاست بہشیاریِ خویش
جلوہ فرمائے بگو پرس کہ ہشیار کجاست

از تبِ ہجر بجاں آمدہ مسکیں دلِ من
مایۂ صحت دل نرگسِ بیمار کجاست

---

[1] فتنۂ ۔ (اصلاح برادر مکرم فضل اللہ خاں صاحب)

با بوئے مشک ندارد سروکارے سرِ ما
کاکلِ یار کجا نافۂ تاتار کجاست
سردیٔ زہد نسازد بدلِ ما حسرتؔ
مایۂ گرمیٔ دل خانۂ خمار کجاست

۱۲؍ ذی الحجہ سنہ ۱۳۱۰ھ

ع سرِ آشفتہ ندارد سرے با مشکِ تتار۔

عہ خواجہ عزیز الدین عزیزؔ لکھنوی مرحوم نے بوئے مشک اور گیسوئے یار کے واؤ کے اخفا پر اعتراض فرمایا تھا۔ اصلاح کی گئی۔

ن۔ گیسوئے۔

از بیاض سنہ ۱۳۰۳ھ

سرایم گر ز بزمے داستانے
زبانم راکنی جادو بیانے

آغاز برشگال

ز فضلش ببارید بارانِ رحمت
بیاسود مخلوقِ رحمٰن ز زحمت

۱۲ / شعبان المعظم سنہ ۱۳۶۶ھ

بر طرح مشہور

بیدلاں سینہ ز داغت چمنے ساختہ اند
شمعہا سوختۂ و انجمنے ساختہ اند

ایں ہمہ پاکیِ گوہر نتواں یافت بخاک
مگر از شیرۂ جانت بدنے ساختہ اند

غنچۂ و لالۂ و گل نرگس و سنبل داری
چشم بد دور ز رویت چمنے ساختہ اند

خاکسارانِ رہ او کہ خوش آسودہ بخاک
خانہا را زدہ آتش وطنے ساختہ اند

بے نیازانہ ز سیرِ گل و گلشن گزرند
بیدلانیکہ بگل پیرہنے ساختہ اند

منت رائحۂ نافۂ و غنچہ نکشند
سرخوشانیکہ ببوئے دہنے ساختہ اند
جلوۂ کردی و در وہم ارم افتادند
خندۂ کردی و درّو عدنے ساختہ اند
می تواں یافت ز شیرینی شعرت حسرت
کہ [عہ] ترا مائلِ شیریں سخنے ساختہ اند

۱۲ر شوال سنہ ۱۳۱۹ھ

عہ توارد بہ عرفی شیرازی۔

بر طرح خواجہ حافظ شیرازی

"دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند"

شکر للہ کہ ز وصل تو براتم دادند
وز ستمہائے شب ہجر نجاتم دادند

تلخی ہجر ز کام دل و جانم بردند
ذوق وصل بت شیریں حرکاتم دارند

خندہ بر درج گہر کاسہ چشم دارد
بسکہ از دولت حسن تو زکاتم دادند

چشم سرمست بدل ساغر عشرت پیمود
وز مئی ناب لبش آب حیاتم دادند

زہرِ ناکامیِ عمرے چو بکامِ دل بود
بتِ شیریں لبے چوں شاخِ نباتم دادند

گر بشکرانہ دل و جاں بفشانیم رواست
کہ بتِ مہوشِ فرخندہ صفاتم دادند

دوش[ع۵] حسرت بسرم آمدہ آں سروِ بلند
لوحش اللہ چہ عالی درجاتم دادند

۴ رمضان سنہ ۱۳۲۱ھ

ع۵ اخترم شعشعہ بر چرخ نظیری زدہ است
کس چہ داند کہ چہ عالی درجاتم دادند (نظیری)

به محبی مولانا ابو الکلام (آزاد)

وارد گل مرغ کشمیر

محو نظارهٔ گل مرغ نگارے دارم

کز خیالش به دلِ زار بہارے دارم

اے نسیمِ سحری گر بہ حضورش گزری

عرضه ده شوق که در جانِ فگارے دارم

ور بپرسد که مگر شوقِ پیامے دارد

سر فرود آر و زمین گوے که آرے دارم

"دور دستان را به نعمت یاد کردن همت است

ورنه هر نخلے به پائے خویش افشاند ثمر"

اسیر آزاد:-

حبیب

۵ رمضان مبارک سنه ۱۳۶۴ھ

اشعار در اشعار رسیدن دیوان

حمید الزمان خان صاحب

شاہجہانپوری الموسوم بہ ریحانِ حمید

منظرِ دیدۂ مشتاق در آوان سعید
رشکِ دامانِ چمن شد ز تو "ریحانِ حمید"

غالیہ سا شدہ از فیضِ قدومِ تو مشام
گوئیا بادِ بہار از طرفِ خلد وزید

ہمچو تو لالۂ خوشرنگ زکہسار نخاست
مثلِ تو یک گلِ رعنا بہ گلستان ندمید

صفحہا دلکش بستان بجمالِ تحریر
نقطہا غیرتِ انجم ز ضیاءِ تسوید

سطرہا مثلِ جداول بمیانِ گلشن

از بیاضِ ورقت شانِ جوئے شیر پدید

رونقت باد بآفاق قبولِ خاطر

حافظِ صاحبِ دیوان بجہاں ربِّ حمید

ذی حجہ سنہ ۱۳۵۰ ہجری

مخمس بر غزل مولانا جامیؒ مرحوم

دل من گدائے نوال محمدؐ

سر من فدائے جلال محمدؐ

ہمہ فیضیاب از کمال محمدؐ

جہاں روشن ست از جمال محمدؐ

دلم زندہ شد از وصال محمدؐ

خوشا صدق را منزلِ عزوجاہے

خوشا اہل حق را ز شیطاں پناہے

خوشا جلوۂ قدس را بارگاہے

خوشا منزل و مسجد و خانقاہے

ترمیم۔ مامن۔

کہ در وے بود قیل و قال محمدؐ
تعالیٰ[1] اللہ تنویر روئے دلآرا
کہ پُر نور فرمودہ ارض و سما را
تجلّی ازو قلب اہل صفا را
خوشا چشم کو بنگرد مصطفا را
خوشا دل کہ دارد وصال محمدؐ
کسے را از افکار[2] دنیا ملالے
کسے بستہ دل را بحظے و خالے
کسے را گراں سر ز فکر محالے
بود در جہاں ہر کسے را خیالے
مرا از ہمہ خوش خیال محمدؐ

---

[1] نسخے شانِ [2] آشوب۔ افکار کا نسخہ ہے۔ ع ادھار۔

ز نورِ رخش فیض جُو ماہِ کامل
بگردِ سرش مہر گرداں چو سائل
بصبحِ ازل نورِ سیماش شامل
بوصفِ رخش والضحیٰ گشتہ نازل
چو واللیل شد وصفِ خالِ محمدؐ

ز خاکِ رہش فخرِ خاقانِ عالم
گدایانِ درگاہ شاہانِ عالم
سگِ کوئے جاں بخش جانانِ عالم
بروئے زمیں گشتہ سلطانِ عالم
ھر آں کو بود پائمالِ محمدؐ

عہ ترمیم یکس۔

غلام درِ اوست حضرت گرامی
بود بالِ تاج شہاں ایں غلامی
بہ عز و شرف شد بکونین نامی
بصدق و صفا گشتہ بیچارہ جامی
غلام غلامانِ آل محمدؐ

بشوق طلب در رہِ عشق پویاں
بگشتم بگرد جہاں حسن جویاں
ہو اللہ خواناں ہو المحسن گویاں
بآفاق دیدم ہمہ خوب رویاں
نمی یافتم جز ظلال محمدؐ

۹؍ شوال سنہ ۱۳۹۱ ہجری

۱؎ بمحبت نبی۔

بر طرح غزل جناب اُستاد معظم

مولوی

عبد الغنی خانصاحب غنی

آں عارض تابانش مخفی بنقاب اندر

یا گشته مه کامل پنهاں بحجاب اندر (غنی)

از پستهٔ پر شورش سوزے بکباب اندر

وز نرگس فتانش شورے بشراب اندر

با موئے ازاں گیسو داریم دو صد سودا

یک ذره نمی گنجد شوقم بحساب اندر

بیخود شده ام تا من زاں جلوهٔ مستانه

بالله که نمی یابم کیفے بشراب اندر

از پرتو حسن مجو بست کا افتادہ
ستر سے بحجاب اندر رمزے بکتاب اندر

ساقی نبود مارا میلے لبسبوئے صہبا
خوش نشۂ مردافگن باشد بشباب اندر

از پردۂ دل خیزد صد نغمۂ داؤدی
حاشا کہ بود مارا ذوقے برباب اندر

سرگشتۂ شوق را خارے زگلے خوشتر
لب تشنۂ راہت را راحت بسراب اندر

از لطف تو آبادی خواہد دل ویرانم
ای جلوۂ معموری از تو بہ خراب اندر

صد دفتر حکمت خواں از جنبش ہر موجے
یک عالم عبرت ہیں پنہاں بحباب اندر

از رخ چو کشد برقع حسرت چه رود برما
شوخیکه بجانم زد آتش بنقاب اندر

۶ صفر المظفر سنہ ۱۳۱۹ ہجری
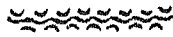
خدا سازد نصیبم وصل.....
پریشاں خاطرم از فصل.......
ندارم احتیاج جام بلور
کہ سرمستم ز سیمیں رطل.......
مرا ہردم فزاید جاں بلطفے
زہے احسان و جود و بذل.......
فدائے ساعتے گردم کہ قاصد
بمن آرد نوید وصل.......

عہ حسب الفرمایش بعرصۂ کم از دو ساعت گفتہ شد۔

برآورد آں نگار شیرۂ جاں

زہے پاکیزہ گوھر نسل.......

مزین دودماں بنگش از وے

کہ زیں آب نوشتند اصل.......

ہنر را فخر از ذات گرامیش

خرد حیرت زدہ از فضل.......

بدلداری بر و ختم ست شاہی

بمحبوبی مسلّم فضل.......

مساوی کفۂ میزان حسنش

دو شاہد بس گواہ عدل.......

سرور جان بیفزاید ز ہزلش

ز جدّ دیگراں بہ ہزل.......

بنازو نامه از املاء نامش

خوش افتاده ردیف غزل......

یمن خونیں جگر شد از عقیقش

بدخشاں خوں بدل از لعل......

دہ تلخی بہ شیریں شور حسنش

بود شیرینیم از لعل......

جلیس حجلۂ دل قصۂ صحبت او

انیس خلوت جاں نقل......

زلیخا را بود غیرت ز حسنش

بود رشک زبیدہ شکل......

مرا بیتاب دارد شوق دیدار

بہ بینم کاش روزے شکل......

بہردم یادِ دردِ حسرت

ہمیشہ ذکرِ حسرت شغل......

شود کشتِ امل سیراب روزے

کہ حسرت برخورد از وصل......

بوقت شب۔ ۲۱ صفر ۱۳۱۹ھ

بشرحِ صدر از جانب او[عہ]

شدم گرفتار حبیبم
زخود رفتم ز رفتار حبیبم
سرور دل ز دیدار حبیبم
کند جاں تازہ گفتار حبیبم
مرا مدہوش کرد آں چشم مخمور
شدم سرمست و سرشار حبیبم
دلم شیدائے نثر دلفریبش
سرم سرخوش ز اشعار حبیبم

عہ بمناسبت واقعہ اینجا نوشتہ شد۔

شدم مجروح تیغ ترک چشمش
فگارم کردہ سوفار حبیبم

بدل جویائے وصل جانفزایش
بجان مشتاق دیدار حبیبم

قرار از دل ببردہ طرۂ او
دلم از دست دستار حبیبم

مرا بیتاب دارد دل بسینہ
بیان شوخ و طرار حبیبم

بروز و شب بصبح و شام ہستم
بجان و دل طلبگار حبیبم

ازاں نوروزیم باشد طرب بخش
کہ جاں بخشد ز اخبار حبیبم

سر و ہوش و روان و تن فدایش
قرار و صبر ایثار حبیبم
بود مرغوب انداز لطیفش
بود محبوب اطوار حبیبم
دلم لرزد چو می آید خیالش
ندارم تاب پیکار حبیبم
گل غیرم بود از خار بدتر
ز گل خوشتر بود خار حبیبم
بمعشوقی کنم گر جلوہ وقتے
کنم صد عشوہ درکار حبیبم
بقد سرو و بمو سنبل بعارض گل
ہمانا ئے کہ گلزار حبیبم

بنفشہ زلف عنبر جعد گل رو
بدیں سامان عطار جلیبم
مفرح سیب و رمانین دارم
شگفتہ باغ اثمار جلیبم
بفن دلبری یکتائے عہدم
زفرط حسن دلدار جلیبم
بلطف حسن می بخشم نشاطش
بجسن لطف غمخوار جلیبم
متاع حسن کالائے دوکانم
محبت جنس بازار جلیبم
خیالم رونق بزم خیالش
جمالم زیب دربار جلیبم

سرم سرخوش ز جام عیش باشد
رسم چوں من بسرکار حبیبم
بدل باشم طلبگار رضایش
بجاں باشم پرستار حبیبم

۲۲ صفر سنہ ۱۳۱۹ ہجری

کتابخانہ رامپور یک مجموعۂ بے لطف اشعار اردو

شائع کرد مسمی بہ "اوراق گل" بر آں ایں شعر نوشتہ شد

کے عنادل را فروزد شمع دل
چوں ندارد رنگ بو "اوراق گل"

نعت

ای بادِ طیبہ رحمتے بر خستہ حالیم
بر آستانِ پاک رساں زار نالیم
اول ز من درود بخواں پیش آنجناب
زاں بعد گوئے قصۂ آشفتہ حالیم
کاے مامنِ شکستہ دلاں وی پناہِ خلق
من بندۂ کمینۂ درگاہ عالیم
ای فخرِ اوّلین و مباہات آخریں
از نسبت تو مژدۂ فرخندہ فالیم
اے آرزوئے عرش تراب نعال تو
دستم بگیر و امن دہ از پائمالیم

اے ابر جود فیض بکشت فسردہ ام
اے گنج فیض جود بداماں خالیم
اے رحمتِ خدا اے بحق جہانیاں
رحمے خدا را بحق زار حالیم
آمد زپا نہالِ من از صرصر گناہ
پامال کردہ نفس چو نقشِ نہالیم
رویم سیاہ شد ز سیہ کاریٔ دوام
مویم سپید گشت و نشد تیرہ بالیم
برباد رفت عمر دریں خاکدان وحیف
از سر نشد ہوائے پریشاں خیالیم
اسلاف شیر مردو غا بودہ اند و من
پامال پیر گربہ چوں شیر قالیم

شوقِ تو در سرم کہ بود خاکِ راہِ تو
موجے ز کوثرست بجام سفالیم

مہرِ صحابۂ تو بود مہرِ دینِ من
توقیعِ جنت ست تولّائے آلیم

روحِ مرا سرور ز آتش انس بود
آبی برو ز خاکِ نعالِ بلالیم

حسرت اگرچہ رخت ز خصیم باصلِ خویش
از داغِ بندگیٔ نبی جنس عالیم

یارب ز فضلِ خویش و طفیلِ نبی بدار
بر شرعِ مستقیم چو قطبِ شمالیم

۲۱ صفر سنہ ۱۳۱۹ ہجری

بر طرح خواجہ آصفی

زجام لعلِ تو مستم شراب را چہ کنم
خوشم ز سوزِ دلِ خود کباب را چہ کنم

زچشم مست تو مستم شراب را چہ کنم
زتاب حسن تو سوزم کباب را چہ کنم

حدیث دوست بگوشم رسد ز پردۂ دل
حکایت نَی و صوتِ رباب را چہ کنم

نکردہ جلوہ بت شوخ و باختم دل و دیں
اگر برافگند از رخ نقاب را چہ کنم

شمیم لطف بجانم وزد ز منزلِ دوست
ہوائے گلشن و بوئے گلاب را چہ کنم

توانم اینکه لب خود ہمی بنالایم
سیاہ مستیِ عہد شباب را چہ کنم

یقین بوعدہ ودانم کہ ہست فردائے
ہجوم آرزوئے بیحساب را چہ کنم

من و خیال رخے بینیازم از گلشن
من و جمال مہے آفتاب را چہ کنم

تواں بسینہ نہاں داشت رازِ او حسرت
لب فسردہ و چشم پُر آب را چہ کنم

۱۶ر شعبان ۱۳۱۹ھ

علامہ شبلی از حیدرآباد۔ ۱۹ر دسمبر ۱۹۰۱ عیسوی

"خدا کی قسم غزل کی غزل مرصع ہے اور یہ شعر تو دل میں رکھ لینے کا ہے۔" ع
"اگر بہ افگند از رخ نقاب را چہ کنم"

(از بیاض سنہ ۱۳۰۳ھ)

رویت بسیر باغ ندیدم گریستم
دیوانہ وار آہ کشیدم گریستم

دردا عنان ضبط و شکیبم شدہ ز دست
نامت ز ہر کسیکہ شنیدم گریستم

جوش نیاز جانب کوے رقیب برد
صد جا بنقش پات خمیدم گریستم

ہجر تو تلخ ساختہ عیشِ مدام ما
گر بادہ بے رخِ تو چشیدم گریستم

واحق چہ شد مرا کہ بیک جلوۂ نگار
طومار عقل و ورع دریدم گریستم

عـہ

در حریم وصل جانانم وطن خواہد شدن
شمع بزم اُنس آں ماہ ختن خواہد شدن

از فسون عشق من روزے بچشم شوخ یار
نشۂ صہبائے اُلفت موجزن خواہد شدن

رخت رزے در حریم وصل او خواہم کشاد
شام غربت زکش صبح وطن خواہد شدن

تازہ جانے وصل جانانم بہ تن خواہد دمید
قصہائے محنت ہجراں کہن خواہد شدن

عـہ "گل گریباں"

"تاکہ از نوش لبت شیریں دہن خواہد شدن۔
"تاکرا جیب گلت رشک چمن خواہد شدن،

دل کہ ویران و خراب ترکتاز حسرت است

از ہجوم آرزوہا انجمن خواہد شدن

از شمیم جانفزا آسودہ خواہد شد مشام

زاں گل رعنا کنار من چمن خواہد شدن

برق جنبش خرمن صبرم بخواہد پاک سوخت

عشوہ‌ہایش آفت تمکین من خواہد شدن

جیب و داماں را کند لبریز گلچین نگاہ

زیب بستر شاہد گل پیرہن خواہد شدن

چوں نخواہد داشت تاب بوسہائے بیدریغ

آں لب میگوں برنگ یاسمن خواہد شدن

خندۂ جاں بخش خاطر را ببخشد انبساط

باعث تفریح دل سیب ذقن خواہد شدن

خودنما وقتیکہ خواہد گشت حسرت حسنِ دوست
مرد افگن جلوہ پرتو فگن خواہد شدن

در ربیع الآخر سنہ ۱۳۱۹ ہجری

لاادری

باروغن گاؤ اندریں روز خنک
نیکو باشد ہریسہ و نان تنک

(از بیاض ۱۳۰۳ھ)

چناں از آتش الفت شدم صافی ز آلایش
کہ یکسر سوختہ وہم و تخیل در دماغ من

ز بس در حسرت چشمے ہمہ عمرم بسر آمد
نمی روید گلے جز نرگس شہلا بباغ من

من آں رندے آشامم کہ با صد آرزومندی
بریزد بادہ پر زور جم اندر ایاغ من

؎ بلند از دہی جمشید می

بر طرح آزردہ دہلوی

شبے مستانہ گر آید مرا جانانہ در پہلو
ز فرطِ وجد خوش رقصد دلِ دیوانہ در پہلو

ز تاراجِ الم قصرِ طرب وردا ز پا آمد
دلِ افسردہ در پہلو کہ صد ویرانہ در پہلو

کنم تا دیدہ وا، ماندہ ز دل خاکستر و دودے
دمے چوں برق کردہ گرم جا جانانہ در پہلو

شبِ یلدائے ہجراں پارہ از زلفِ لیلیٰ ہست
ز قیس افسانہ در پہلو دلِ دیوانہ در پہلو

ع صراحی در بغل مینا بکف پیمانہ در پہلو
(آزردہ دہلوی)

مرا از عالم شمع شبستانم دہد یادے
چو می بینم فتادہ شمع را پروانہ در پہلو

ربودے فیضہا از کیف چشم ساغر صہبا
مرا وقتیکہ بود آں نرگس مستانہ در پہلو

زلب ہر عضو را برخاست شورِ آفرین وزہ
بآئینے نشاندی ناوک ترکانہ در پہلو

سر سودائے خالِ او حریم و کعبہ خوش دارم
دل و نقشِ جمال او بت و بتخانہ در پہلو

دماغ ساغر و مینا کجا حسرت کہ من دارم
زیاد چشم میگونش می و میخانہ در پہلو

۱۴ جمادی الآخر سنہ ۱۳۲۳ھ

بر طرح خواجہ حافظ شیرازیؒ

"چراغ روئے ترا گشتہ شمع پروانہ"

بدورِ چشمِ تو مست و خراب میخانہ
بذوقِ لعلِ تو سرگرم دورِ پیمانہ
نثارِ صبحِ بناگوش گوھر پرویں
فروغِ شمعِ ترا شب چراغ پروانہ
نگاہِ مہر بحالم ز نرگسِ مخمور
چناں کہ جرعہ بمستے دہی ز پیمانہ
بہ پیشِ ماہِ تو پرویں چو قصۂ پارین
بہ پیشِ زلفِ سیاہِ تو شب چو افسانہ

نثارِ مقدم جاں بخش باد نقدِ رواں
کہ می رسد بصد اندازِ ناز جانانہ

نگاہِ شوخ بچشمِ سیہ بداں ماند
کہ مستِ ناز خرامد سئے بہ بتخانہ

زِ لطفِ پاکیٔ گوہر بجاں صفا بخشد
ہزار گوہرِ جانم فدائے دُردانہ

خوشا دمیکہ بیائی تو مستِ عشوہ و من
زِ فرطِ وجد بگردم بگرد مستانہ

عـــہ پسندیدۂ جناب خواجہ عزیزالدین صاحب عزیزؔ لکھنوی۔ ۲۹ رجمادی الاول ۱۳۱۹ھ

نوٹ:۔ جلسۂ دعوتِ رخصت جناب مولوی عبدالغنی خاں صاحب دریال کوٹھی
برادر مکرم محمد مزمل اللہ خانصاحب رئیس بھیکن پور خواندہ شد۔

چو آشنا نگہے کرد یار بر حالم
ز فرطِ ذوق بگشتم ز خویش بیگانہ
دلم ز صحبتِ گیسوئے پُرفتن ہشیار
ز فیضِ چشمِ تو حسرت شُد است دیوانہ

۲۵ر صفر سنہ ۱۳۱۹ ہجری

نعت

دلم سرمست و شیدائے مدینہ
سرم سرشار سودائے مدینہ
بکیشِ پاکبازانِ محبّت
بہ از خلد ست صحرائے مدینہ
ز فرطِ شوق از بہرِ نبی شد
ہمہ آغوش دریائے مدینہ
صفائے چشم بخشد خاکِ راہش
جلائے دل تجلّائے مدینہ
شرف بر عرشِ اعظم خاکِ اورا
گرامی شانِ والائے مدینہ

پنہ از فتنہ یابم گر بیایم
تہِ دامانِ صحرائے مدینہ
بود مثلِ کریمان چشم بر راہ
پئے اضیافِ دربائے مدینہ
بسازم خاکِ پاکش سرمۂ چشم
رسم چوں من بصحرائے مدینہ
غلامانِ ترا حسرت غلامے
ببخشش رحم مولائے مدینہ

۱۹ر جمادی الاول سنہ ۱۳۱۹ھ

نعت

دلم جوید تجلّائے مدینہ
سرم خواہد تماشائے مدینہ
زنورِ حق جہانرا کرد معمور
زہے فیضِ تجلّائے مدینہ
بشانِ خود بنازم گر بیفتم
بزیرِ پائے سگہائے مدینہ
خوشا وقتے کہ جانم را نوازد
نسیم راحت افزائے مدینہ
"چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک"
نباشد خلد ہمتائے مدینہ

شود تصویر جنت پردۂ چشم
چو بیند حسنِ زیبائے مدینہ
ملائک عزم او از آسماں کرد
زہے سرکارِ والائے مدینہ
مرا اے کاشکے حسرت بخواند
غلامِ خویش مولائے مدینہ

عہ زہے دولت چو حسرت را بخواند

تاریخ رونق افروزی

اعلیٰحضرت میر عثمان علی خاں بہادر آصف سابع

خلد اللہ ملکہ و سلطنتہٗ در حبیب منزل علی گڑھ

بتاریخ ۲۰ر ذی الحجہ سنہ ۱۳۵۴ھ

روز یک شنبہ وقت سہ پہر

خوشا وقت مسعود و خرم زمانہ

مکرم شدم از قدوم شہانہ

شہِ دادگر میر عثمان علی خاں

ز جود وش بدامانِ عالم خزانہ

زمین بوسِ اجلال جاہ و مراتب
بہ دربار اقبال را آشیانہ
شرف یافتہ منزلم از نزولش
بہ دیں فخر گشتم بہ عالم فسانہ
نوشتم سنِ ایں مباہات حسرت
مبارک قدومِ سعادت نشانہ

بدیں

۱۳۵۴ ھ

طالب رضاک

"آپ کی طبع نازک جسکو گلاب کے پھول سے تشبیہ دینا نہایت موزوں ہے۔"

اے کہ از غایتِ لطافتِ طبع
سحرِ نوبہار را مانی
از وفورِ لطافتِ جسمت
می تواں گفت پیکرِ جانی
چوں تبسّم کنی شکر ریزی
چوں تکلّم کنی گل افشانی
حُسن را از تو گرمیٔ بازار
داغ را چہرۂ فروغانی

ذوق را لذتِ طرب بخشی
بزم جاں را چراغِ رخشانی
باغِ امید را گلِ رنگیں
حاصلِ عقل از تو حیرانی
درد را جلوهٔ قبول از تو
شوق را مایۂ فراوانی
نسبتِ طبعِ من بگل کردی
من فدائے چنیں ثناخوانی
باچنیں طبعِ نازک و رنگیں
دیر گہ کام درجہاں رانی
از بہارِ مراد گل چینی
سرخوشِ بادۂ طرب مانی

گفتۂ طالب رضائے تو ام
من و یزداں کہ من فدائے تو ام

شوال سنہ ۱۳۱۷ ہجری

قطعہ

خامہ چوں در بنان خود گیری
شیخ شیراز را بوجد آری
بذلہائے شگرف بر سنجی
نکتہائے بدیع بنگاری

عید قرباں سنہ ۱۳۱۸ ہجری
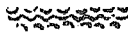
جانِ محبوبی و جانان حبیب[ع]

آنِ دلداری و شانِ دلبری

با چنیں قدِّ بلند و خوش خرام

سرو کے دارد مجالِ ہمسری

بر دہانِ بذلہ سنج و پستہ لب

غنچہ را ہرگز نزیبد برتری

دل فدائے شیوۂ جاں پرورت

جاں نثارِ عشوہائے دلبری

عہ مطلع اور مقطع اضافہ میں ہے دونوں کو ایک کر کے درست کر لیا جائے۔

(اضافہ بتاریخ غرّہ صفر ۱۳۱۹ھ)

اے درخشاں از جبینت برتری
وے ہویدا از لبت جاں پروری
عشق را نازم کہ زو کاہِ ضعیف
کوہ کندن را شمارد سرسری
چشم حسرت را کجا تابِ نگاہ
اے جمالت حیرتِ حور و پری

حسب الفرمائش

ربودہ ہوش و قرارم غزالِ رعنائے
نگار مست خرامے بلند بالائے
بشیوہائے فریبندہ آفتِ عقلم
بلائے صبر و قرارم بشکل زیبائے
برائے فتنہ بود چشم پُر فنش ما من
برائے بذلہ لبِ لعل اوست ماوائے
سماع را سخن جاں نواز او عیدے
نگاہ را رخِ گلگونِ او تماشائے
گہے بچین جبیں برقِ خرمنِ عیشم
گہے بخندہ جاں بخش راحت افزائے

گہے نمودہ ہلاکم بشیوۂ تمکیں
گہے فزودہ روانم بلطفِ ایمائے
گہے نواختہ جانم برمزِ پنہانی
گہے ربودہ قرارم بہ ناز پیدائے
ز فرِّ تابش اجلال رونقِ خورشید
ز تابِ جلوۂ اقبال ماہ سیمائے
ز رازِ فلسفہ آگاہ مثلِ فارابی
بہ بزم فضل بود بوعلیؔ سینائے
ربودہ شوکت شاہی شکوہِ اشعارش
شکستہ پایۂ عالی بطبع والائے
بلطفِ خاص مرا گشتہ مدح خوان حسرت
ادا شناس مزمّلؔ ادیب دانائے

۲۳ محرم الحرام ۱۳۱۹ھ

بر طرح آصفی

شبستانِ مرا شمعے ازاں رخسار بایستے
فروغِ صبحِ من را دولت بیدار بایستے
نشاطے خاطرم را بادۂ گلگوں نمی بخشد
دراں کیفے ز عکسِ دیدۂ خمار بایستے
مداوائے مریضِ عشق قانونے دگر خواہد[عہ]
طبیبِ دردِ دل آں نرگسِ بیمار بایستے
بہارِ گل بہ گلچیں و عنادل یاد ارزانی
مرا از عارضِ گلفامِ او گلزار بایستے

عہ خواجہ عزیز الدین عزیزؔ لکھنوی ازیں شعر خیلے مسرور شد ۱۲

عـــہ بسجودِ سروِ پا در گل چمن بر خویش می بالد
بچشم جلوۂ آں سروِ خوش رفتار بایستے

بآغوشِ مرادم جلوۂ آں سیمتن بودے
بدامانِ نگاہم دولتِ دیدار بایستے

مبارک جلوہائے بادۂ گلگوں بہی خواراں
مرا از چشم مستش ساغرِ سرشار بایستے

سر آزادگاں بر پائے دوں طبعاں بود حیف است
اگر خاکِ رہِ جاناں نشد بردار بایستے

عـــہ علامہ شبلی مرحوم نے اس شعر کے مصرعۂ ثانی پہ یہ اعتراض فرمایا تھا کہ "بہ پہلو یم رواں" میں تصریح زیادہ ہے۔ لہٰذا تبدیل کیا گیا۔ دوسرے شعر کے دوسرے مصرعے میں داد عطف کے اظہار پہ کلام فرمایا اس لیے بدل دیا گیا۔ بعد کو خواجہ حافظ کے مطلع کے پہلے مصرعہ میں داد عاطفہ کا اظہار پایا گیا ع
خوش آمد گل وزاں خوشتر نباشد ۱۲

تمنائے دلم حسرت ز حد و حصر بیرون است

تکلف بر طرف لطفش بمن بسیار بایستے

۱۵ ر رمضان المبارک سنہ ۱۳۱۹ ہجری
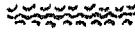
بر طرح اعلیحضرت نظام خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

در سالگرہ

پردۂ ماہ رخت زلفِ پریشاں تا کے
در تہِ ابر نہاں مہرِ درخشاں تا کے

اے صبا نفحۂ آنفسے ز دیارِ طیبہ
وحشت[ع] آباد بود این دلِ ویراں تا کے

یارب از قافلۂ رفتہ نشانے بنما
چوں جرس گرمِ فغاں این دلِ سوزاں تا کے

ع۔ اول یہ مصرعہ موزوں ہوا۔

پشتِ پا بر سر و ساماں زن و فارغ برخیز
دردِ سر تا بکجا قصۂ ساماں تا کے

نعرۂ ہُو زن و در سینہ فگن شورِ نشور
سرخوشِ خواب بود شیرِ نیستاں تا کے

خیز و از خونِ جگر تشنہ لبا نرا بنواز
ماتمِ قیس کند ریگِ بیاباں تا کے

کاش از سینۂ مردے شررے بازجہد
دیو پامال کند خونِ شہیداں تا کے

دلِ پاکت صدفِ گوہرِ عرفاں آمد
غرقِ بحرِ ہوسِ قطرۂ نیساں تا کے

پردہ از رخ فگن و عرصۂ محشر افروز
لاف از نور زند نیّرِ تاباں تا کے

در رہش خستہ دلاں قافلہ سالار انند
منزلِ دردِ طلب در پے درماں تا کے
جوہرِ خود بنما گوہرِ خود را دریاب
خوں خوری در طلبِ لعلِ بدخشاں تا کے
درے از فیضِ ازل بر رخش از فضل کشا
رو بدیوار بود حسرتِ حیراں تا کے

۲۹ رجادی الآخر ۱۳۴۸ھ ہجری

مولانا ابوالکلام آزاد

وقتیکه مقیم گلمرغ کشمیر بود در خطے نوشته

گرچه دوریم بیاد تو قدح می نوشیم
بُعد منزل نبود در سفر روحانی

من برائے جواب تصویر
وقتیکه بهم چائے نوشیم نوشتم

شکر لله که بروے تو قدح می نوشیم
جلوهٔ قرب نموده سفر جسمانی

شعر ہذا در اثنائے سفر حبیب گنج

بعد وداع حیدرآباد در کالسکۂ بخار

حسب حال

مشعر وجہ ترک تعلق حیدرآباد

در خاطر گذشت

شاہبازِ ہمتم ربطے بدستِ شاہ داشت
خوش نکردہ بندِ دست دیگراں پرواز کرد

۱۳ ۱۱/۲۹ م ۱۳ ۴۳/۱۰ ھ

حافظ جلیل حسن صاحب جلیل

فصاحت جنگ بہادر مانکپوری

(از حیدر آباد در جواب ایں شعر نوشتہ)

شاہبازِ اوجِ ہمت حسرتِ عالی نژاد
صید کردہ مرغ جانم از دکن پرواز کرد

ایضاً

جلوۂ حسرت اگر بزمِ دکن خالی کرد
جائے غم نیست کہ دل نیست ز حسرت خالی

نوٹ :۔ رسم جاری بود کہ بہ ماہ مبارک رمضان شب ختم کلام مجید در تراویح شامل می شدم بعد ترک تعلق آنجا چوں حاضر نبودم حافظ جلیل ایں شعر گفتہ۔

بداہتہ بڈاکٹر عبدالستار صدیقی

پروفیسر الہ آباد کالج

باستدعائے قدوم حبیب گنج

دیدۂ و دل در تمنائے لقا

محو یادت روز و شب صبح و مسا
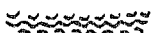
قطعات تاریخ

تاریخ عود الحاج محمد عبید الرحمن خان[۱]

الوالد العزیز

من سفر الحج والزیارۃ - یوم السبت خامس الصفر المظفر

سنہ ۱۳۵۱ھ

محمد حج لہ عاجلؔ

ادخلی جنتی اجلؔ

ارخ الحسرۃ المرجع

سالمًا غانمًا واصلؔ

۱۳۵۱ھ

تاریخ شہادت برادرم محمد سمیع اللہ خان

بلونہ کہ در اثنائے راہ بوقت مراجعت از سراؤلی
قریب موضع مذکور از بندقۂ تفنگ ظالمے مجروح شدہ

بعد ہژدہ روز شب جمعہ ۱۱ صفر المظفر ۱۳۵۱ھ
مقام علی گڑھ رحلت کرد۔ غفرلہ

آہ۔ اخوی عزیز مرد زیرک و ذکی
بود دیندار و سعید غیر شک و ریب
حیف ہنگام سحر براہ ظالمے شقی
کرد مجروح ببندقش لیالم شیب

هشردہ روز کشید رنجہا برضا

در شب جمعہ سپرد جاں بسا ترغیب

ایں خبر ہر کہ شنید اشک ریخت زچشم

خاک کردہ بسر و درید دامن و جیب

حسرت خستہ وزار جست سال رحیل

"ہائے مظلوم شہید" گفت ہاتف غیب

۱۳۵۱ ھ

تاریخ آغاز بنائے

حبیب منزل واقع میرس روڈ علی گڑھ

شکر للہ کہ ایں بنائے بلند
گشتہ آغاز از نوال اعم
کرد حسرت سوال سال بنا
گفت ہاتف بجوز فضل اتم

۱۳۵۱ھ

دیگر اختتام

خوشا کاشانۂ زیبا کہ اینجا
ہمہ گل روید و خارے نباشد

زہے ایوانِ جاں پرور کہ در وے

"کسے را با کسے کارے نباشد"

بتاریخش درے سفتہ است حسرت

گرامی تر گہر آرے نباشد

اذی را بے سر و پا ساز و خوش خواں

"بہشت آنجا کہ آزارے نباشد"

۱۳۶۳

۱۱ −

۱۳۵۲ھ

تاریخ عقد

برخوردار محمد مسعود الرحمٰن خاں

عرف

پیارے میاں سلمہ اللہ تعالیٰ

مسعود عزیز کتخدا گشت
مسرور شدہ دلِ عزیزاں
شاداں دلِ من ز سال پرسید
با فضل عظیم گفت رضواں

۲۲ ۱۹ ۶

تاریخ اوّل روزہ

نورِ چشم ریاض الرحمٰن خاں

عرف

دلارے میاں سلمہ اللہ تعالےٰ

نورِ نظرم ریاض رحمٰن
از صوم نخست گشت شاداں
تاریخ بہارِ روزہ اش را
از شامِ ریاض یافت رضواں

ھ ۱۳ ۵۲

۶ شوال سنہ ۱۳۵۲ھ مقام دہلے

تاریخ مراجعت راقم از سفر حج و زیارت

آمد ز حرم حبیبِ رحمٰن
گل چیدہ ز فیض[له] دستہ دستہ

پیوستہ بہ بزمِ قدس وحدت
پیوند ز ما سوا گسستہ

در دیدہ ز خاکِ طیبہ نورے
نقشِ کرمش بجاں نشستہ

تاریخ مراجعت خلیل[عه]
گفتا چہ مبارک و خجستہ

۱۳۴۵ھ

له: فضل۔ عه جناب شاہ سید ابراہیم صاحب خلیلؔ برکتہ اللّٰہی مارہروی)۔
مادۂ تاریخ از شاہ صاحب موصوف کہ بفرمائش خاکسار بداہۃً فرمودند ۱۲۔

تاریخ ماخوذی کاظم علی باغ

شاگرد مرزا داغ دہلوی

بہ علت سکۂ قلب قرطاس مقام حیدرآباد

کہ آخر بری شد

دوش بدیدم حزیں استادے
اسم چہ جستم بگفتا "داغم"
"حزن چرا" گفت "بشنو با سال
سکۂ خزاں زد بقلب باغم
۱۹۳۶ء

۲۰ر جون ۱۹۳۶ء

تاریخ افتتاح سلور جوبلی واٹر ورکس رائچور

از

دست مبارک

حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ

شدہ رائچور از قدوم شہی
گرامی میانِ بلادِ جہاں
شہ آصفِ سابعِ جم حشم
بماند بہ فرِ شہی جاوداں

پئے تشنگاں دستِ جودش کشود

بہر خانہ جو از کرشنا رواں

چو تاریخ ایں فیض حسرت بجواست

بگفتہ چنیں ہاتفِ نکتہ داں

سنش گر بجواہی کہ گیری بہ یاد

"زہے چشمۂ فیضِ عثماں" بخواں

۲۱ ۱۹ ع
۱۵

۳۶ ۱۹ ع

سہ شنبہ ۱۴ جولائی سنہ ۱۹۳۶ع - حبیب منزل

تاریخ حج

مولوی سید سلیمان اشرف صاحب میر شعبہ عربی
(مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

مخدوم زمن میر شریف و احنف
از حج شده ممتاز به تشریف شرف
هم گشته مشرف به حضورِ طیبه
کش خلد بپاکی نتواں بود طرف
حسرت چو بیفتاد بفکرِ تاریخ
آهسته بفرمود سروشِ اعرف
بگذر ز سر و هم ز زمان حج را
دریاب از شرف سلیمان اشرف

---

۱۳ ربیع الاول ۱۳۵۸ھ

ھ ۱۳ ۵۲
۱۲۵ $\frac{6}{46}$ ۱۳ ھ

تاریخ رحلت

مولانا سید سلیمان اشرف صاحب غفرلہ

سلیمان اشرف سرِ اتقیا
بہ علم و عمل والہِ دین اشرف
چو نفسش شنید آیۂ ارجعی را
بہ جنت شد از قربتِ حق مشرف
سنش با دل پاک حسرت نوشتہ
بہ جناتِ عدنِ سلیمان اشرف

۱۳۵۷
۱

۱۳۵۸ھ

۳ جمادی الاولی ۱۳۵۸ھ

تاریخ ترقی گریڈ مولوی

بدرالدین علوی

(استاد عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

بدرِ دیں بدرِ آسمانِ علوم
ارتقایش چہ منزلے افزود
ہاتفے سال از سرِ بہجت
"تابش بدر شدہ افزوں" فرمود

۱۳ ۶۲
۲
۱۳ ۶۴ھ

خارج کرده شود

لاادری

مفلسانیم آمده در کوئے تو

شیئاً للہ از جمال روئے تو

دست بکشا جانبِ زنبیلِ ما

آفریں بر دست و بر بازوئے تو

تاریخ وفات

نواب اختر یار جنگ بہادر

مولوی لطیف احمد صاحب اختر مینائی

معتمد امور مذہبی سرکار عالی

دریغا کہ آں مستِ مینائے الفت
لطیف احمد اختر آل مینا
بہ پیشانیش لمعۂ مہر تاباں
بحسنِ وفا بود در دہر یکتا
مجسم مرا بود یکسر مودت
مجسم فتوت مروت سراپا

مالت ز دردِ وفاتِ انیسِ حیاتش

ز دار المحن شد سوے دارِ عقبیٰ

ز الطافِ رحمٰن شود جانِ پاکش

ز دید ارشاداں بجناتِ ماویٰ

چو پرسید حسرت سنِ ارتحالش

بصد رنج وانده ز احبابِ دانا

زکی از میاں خاست آورد بر لب

۳۷

شہیدِ محبت قتیلِ وفا را

۱۳ ۹۶

۳۷

۱۳ ۵۹ھ

۱۴ رجب المرجب سنہ ۱۳۵۹ھ

قطعۂ تاریخ تولد نور نظر

بخانۂ برادر مکرم محمد مزمّل اللہ خاں صاحب

رئیس بھیکن پور

اسمش احمد اللہ خاں عرف بنے میاں

تعالی اللہ زہے مولود مسعود
عیاں شد از وجودش شادمانی
الٰہی سالہا ماند بعالم
بعلم و فضل و جاہ و کامرانی

شود یارب خلف اسلاف خود را
بدین و نامِ نیکِ جاودانی
خرد چوں خواست از من بہر تاریخ
ہمایوں مصرعے روشن معانی
مرا از وجد دل جنید و گفتم
چراغے دودۂ داؤد خانی

۱۸	۹۹
	۳
۶۱۸	۹۶
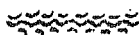
تاریخ وفات

مولوی غلام محمد صاحب شملوی

سفیر با تدبیر ندوۃ العلماء

سفیر مکرم غلام محمد
ز دار الاجل حیف آمد پیامش

سراپا عمل بود و سعی مجسم
باحیاء دلہا مسلّم کلامش

چو قربان دین کرد جان گرامی
ز اسلامیان باد دایم سلامش

جگر خستہ حسرت یک از مخلصانش
چو پرسید از سال حسن ختامش
بفرمود ہاتف بر آوردہ آہے
۱۶
بجنات فردوس اعلیٰ مقامش

۱۳۶۸
۱۶
۱۳۵۲ھ

تاریخ وفات حسرت آیات

مولانا الحاج مولوی ریاض الدین صاحب

افضل گڑھی رحمۃ اللہ علیہ

مدرس دار العلوم دیوبند

عالم و متقی ریاض الدین
بود از خوئے خوب جانِ ریاض
جست سال وفات او حسرت
ہاتف غیب گفت "شانِ ریاض"

۱۳۶۲ھ

۲۱ ذی الحجہ ۱۳۶۲ھ بروز دوشنبہ بوقت صبح صادق بعمر ۷۵ سال در افضل گڑھی مدفون۔ زیر دو درختہائے بزرگ در مقبرہ کہ موسوم است بقدم رسول چہ در آنجا سنگے است کہ برآں نشان جفت پائے ہست و بغور چناں معلوم می شود کہ بزرگے بر و قدم نہادہ رفتہ است۔ واللہ اعلم بالصواب۔ معین الدین۔

بچمن ہم دل بیتاب براحت نہ رسید
سرو آزاد بدیدم قدِ او یاد آمد

سید الطاف علی و شہابی[1] وارد حبیب گنج شدند

(ایں شعر گفتہ خواندم)

بحرم کردند الطاف و شہابی
ز لطفِ نور شد روشن روانم

---

[1] بتقریب ورود حبیب گنج مفتی انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی و سید الطاف علی بریلوی سلمہا الرحمٰن

باہتمام منیجر سید اعجاز علی

در مطبع مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ طبع شد

سنہ ۱۹۴۹ء